ہمدرد نونہال
اکتوبر ۱۹۵۹ء

جلد ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۵۹ء نمبر ۱۰

ہمدردِ نونہال کراچی

ایک پرچہ
چار آنے
سالانہ
ڈھائی روپے

حکیم حافظ محمد یحییٰ پرنٹر پبلشر نے ہمدرد ٹرسٹ کے لیے مشہور آفسٹ لیتھو پریس میں چھپوا کر دفتر "ہمدرد نونہال" ہمدرد دواخانہ ناظم آباد، کراچی سے شائع کیا
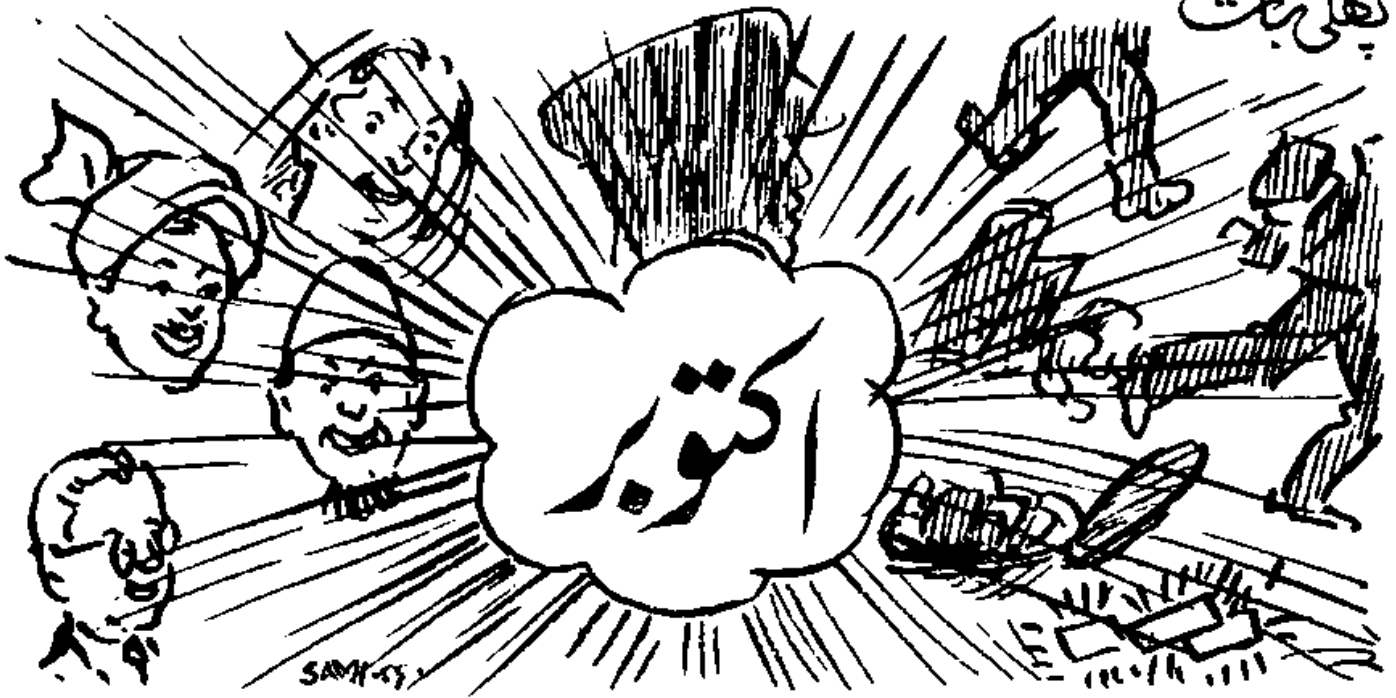
تمھیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال اسی اکتوبر کے مہینے میں پاکستان میں ایک بہت بڑی تبدیلی ہوئی تھی۔ یہ تبدیلی یا انقلاب یوں تو بہت بڑا تھا لیکن خوبی یہ تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی اور ہمیں سیاست کے گندے چکر سے نجات مل گئی، کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی مگر سیاست کے پرانے کھلاڑی، خودغرض اور نااہل لیڈر میدان سے ہٹا دیے گئے۔ ۸ر اکتوبر کو صبح اٹھ کر جب لوگوں نے اخبار پڑھے، ریڈیو سُنے تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انھیں معلوم ہوا کہ پرانا نظام بدل گیا۔ بُرائی اور بُرے لوگوں کا دُور ختم ہوا۔ اب حکومت فوج کے سیدھے اور سچے سپاہیوں کے ہاتھ میں ہے اور ان کے رہنما بہادر اور نیک سپہ سالار جنرل محمد ایوب خاں ہیں۔ یہ سنتے ہی لوگوں کے دل خوشی سے بَلّیوں اُچھلنے لگے، ہر طرف امیدوں کے دیے جلنے لگے، غریبوں اور شریفوں کی عزت اور آزادی کا زمانہ آگیا۔ اب تک شریر اور بے ایمان لوگوں کو کھلی چھوٹ تھی وہ جو چاہتے کرتے، جس طرح چاہتے اپنا بھلا کرتے اور قوم اور حکومت کو جتنا چاہتے نقصان پہنچاتے، غریبوں کو لوٹتے، مزدوروں کو دباتے، کوئی دیکھنے والا نہ تھا غریبوں کی زندگی وبال تھی۔ ان کو ایمان داری کے ساتھ دو وقت کی روٹی بھی میسّر نہ تھی، مہنگائی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی، شریف آدمیوں کے لیے سر اٹھا کر چلنا محال تھا، ایمان داری سے رہنا مشکل تھا، کوئی داد تھی نہ فریاد ——— ۲۷ر اکتوبر ۵۸ء کو ان سب چیزوں سے نجات ملی اور ہم بدی کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ اب تک نیکی اور نیک لوگوں کو آزادی نہیں ملی تھی اور برائی اور بُرے لوگوں کو پوری آزادی

رہتی۔ اب بَدوں کے لیے اور بَدی کے لیے غلامی کا دور شروع ہوا اور نیکوں اور نیکی کو آزادی ملی۔

چور بازاری کرنے والے، کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے والے، مہنگا بیچنے والے، ضرورت سے زیادہ نفع کمانے والے تاجر، اسمگلر، رشوت کھانے والے، کام چور، سُست نکمّے، سرکاری ملازم اور افسر ـــــــ غرض سب غلط کار، دھوکے باز، نااہل اور بے ایمان لوگ، ڈرنے لرزنے لگے۔ ایک ایک کرکے ان کے بُرے کام سامنے آرہے تھے، اب تک جو چھپے ہوئے تھے، وہ بھی سامنے آگئے۔ شریف صورت، ڈاکوؤں اور مہذب چوروں کی قلعی بھی کھُل گئی۔ ان کی مصیبت آگئی۔ اب کیا کریں؟ محنت اور دیانت سے کمانا تو ان کو آتا نہیں تھا دھوکے، فریب سے ان کا دھندا چلتا تھا، اس لیے ان کو پریشانی تھی، گھبراہٹ تھی، لیکن ہر نیک اور شریف آدمی خوش تھا، اس کو کوئی فکر نہ تھی، اس نے کوئی بے ایمانی اور دغا بازی نہیں کی تھی جو اس کو ڈر ہوتا، بلکہ اس کو اب بے فکری تھی، اطمینان تھا، امید تھی۔

اب اس تبدیلی کو اس انقلاب کو ایک سال ہوگیا۔ اس ایک سال میں بہت سے کام ہوئے، اچھے اچھے اور مفید کام۔ ایسے ایسے کام جو گیارہ سال میں نہ ہوسکے تھے۔ اور اگر یہ انقلاب نہ ہوتا اور صدر ایوب ملک کی باگ ڈور نہ سنبھالتے تو یہ کام کبھی نہ ہوتے۔ مگر ابھی بہت سے کام باقی ہیں اور ان کے لیے ہمیں اپنی اصلاح کرنا پڑے گی، اپنے اخلاق کو سنوارنا ہوگا، اپنی تعلیم کو بہتر بنانا ہوگا، صحیح اور سیدھا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

ہمیں اچھے کاموں میں حکومت کی مدد کرنا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ ہم اپنی عادتیں اچھی بنائیں۔ ہماری عادتیں ایسی ہونی چاہییں کہ ہمیں کوئی اچھا کام کرنے میں دِقّت نہ ہو، بلکہ اچھے کام آپ سے آپ ہوتے رہیں۔ اگر ہم میں سے ہر ایک یہ سوچ لے اور ارادہ کرلے کہ مجھے ایک شریف اور مفید شہری بننا ہے تو ہماری قوم آپ سے آپ سُدھر جائے اور سارے مسئلے حل ہوجائیں۔

بچو! تم نے انگریزی میں "چوہوں اور بانسری والے" کی کہانی ضرور پڑھی ہوگی - اب وہی کہانی نظم میں پڑھو - اور دیکھو بھائی تمہیں پسند آئے تو ایک کارڈ لکھنا نہ بھولنا —— تمہارا

ساقی فاروقی

اک قصّہ تم کو سُناتا ہوں
اک دنیا تم کو دکھاتا ہوں
اک شہر تھا لاکھوں سال ہوئے
ہوئی عمر اسے پامال ہوئے
ہر شخص وہاں آرام سے تھا
کام اس کو اپنے کام سے تھا
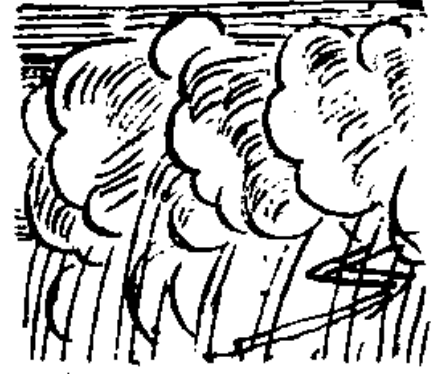
جہاں تھے بکرے چیتے کے — اک گھاٹ پہ پانی پیتے تھے
شیروں بھیڑوں میں بنتی تھی — اور ان میں گاڑھی چھنتی تھی
اتنے میں اک آفت آئی — ہر شہری کی شامت آئی
بادل آئے، گرجے، چمکے — پانی برسا، چوہے برسے

چوہوں نے دیکھا مڑ مڑ کے
اور پہنچے ہر گھر میں اُڑ کے
موٹے تازے، دُبلے پتلے
ہر گھر چوہے، گھر گھر چوہے
اُن چوہوں کا موسم آیا
اور ان سے ناک میں دم آیا
کوئی بھورا تھا، کوئی کالا تھا
کوئی ترچھی آنکھوں والا تھا
کوئی اٹک اٹک کر چلتا تھا
کوئی مٹک مٹک کر چلتا تھا

کچھ سوتے تھے، کچھ جاگتے تھے — کچھ ٹھمک ٹھمک بھاگتے تھے
سب گورے کالے ناچتے تھے — وہ ناچ نرالے ناچتے تھے

جب غلے کھانے لگتے تھے　　تو دُم لہرانے لگتے تھے
جو چوہا تھا، وہ نرالا تھا　　نکلا سب کا دیوالا تھا

گھر گھر میں ان کا قبضہ تھا
ہر گھر اب گھر چوہوں کا تھا
سارا کپڑا، سارا غلہ
ان چوہوں کے بل میں پہنچا
تشویش ہوئی سب کو گہری
اس سوچ میں تھا اب ہر شہری
اب کال پڑا، اب کال پڑا
اب کیا ہوگا، اب کیا ہوگا
اتنے میں اک آواز آئی
بنجارے بانسری والے کی
اس کو بیسیوں کا جُل دے کے
راجا کے پاس گئے لے کے

راجا سے اس کی بات ہوئی　　باتوں باتوں میں رات ہوئی
جب راجا منّت کرنے لگا　　تو اس نے بھی راجا سے کہا

"جتنے اس شہر میں چوہے ہیں
ندی میں ڈال آؤں گا میں
جب پورا ہوگا کام مرا
پھر کیا ہوگا انعام مرا؟
ہاں صاحب مجھ کو جتلا دیں
اور کام سے پہلے بتلا دیں"
راجا پھر آخر راجا تھا
وہ جھنجھلایا اور کہنے لگا
"ہر شہری تنگ ہے چوہوں سے
اب سب کی جنگ ہے چوہوں سے
اجرت؟ اور پھر ہم راجوں سے؟؟
ہم ڈھک دیں گے دیناروں سے

ٹھن ٹھن کرتے دینار، سنو!　　ہم دیں گے بیس ہزار، چلو!"
اس راجا کی باتیں سن کے　　بنجارے بانسری والے نے
لی بانسری اپنے ہونٹوں میں　　اور نغمے تڑپے ہونٹوں میں

اس کی آواز نرالی تھی !! — وہ بانسری جادو والی تھی
پھر بانسری والا چلنے لگا — ہر چوہا گھر سے نکلنے لگا
اک لشکر اپنے ساتھ لیے — ان چوہوں کی بارات لیے
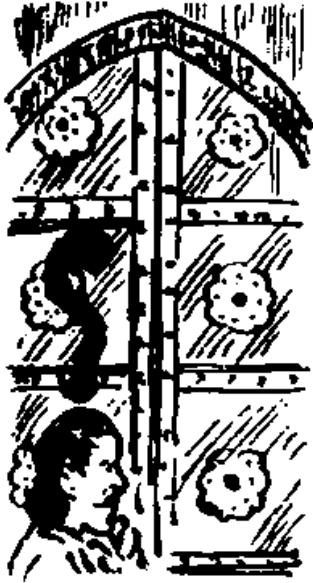
وہ بانسری والا بنجارا
دھیرے دھیرے ندی پہنچا
خود ٹھیر گیا پھر ندی پر
اور ڈوب گیا سارا لشکر
پھر پہنچا راجا کے گھر وہ
اور ٹھیرا گھر کے باہر وہ
اس نے اپنی اجرت مانگی
راجا نے جھنڈی دکھلا دی
تھی دل میں ایک اُمنگ ابھی
باقی تھی ایک ترنگ ابھی

اس کو کافی غصہ آیا ! — پھر بانسری ہونٹوں تک لایا
اس کی آواز نرالی تھی — وہ بانسری جادو والی تھی
ہر شہری کے بچے بالے — موٹے تازے گورے کالے

ناجی، تاجی، ساجی، بالی
میکی، جیکی، شیکی، لالی
اِس کی بھانجی، اُس کا بھانجا
اس کا ناتی، اس کا پوتا
سب گاتے شاداب دوڑ چلے
سب اس کی جانب دوڑ چلے
وہ بانسری والا چلنے لگا
ہاتھ اب ہر شہری مَلنے لگا
اکثر بھاگے، اکثر دوڑے
اور سب راجا کے گھر پہنچے
ان میں جو سب سے بوڑھا تھا
اس نے رو کر راجا سے کہا
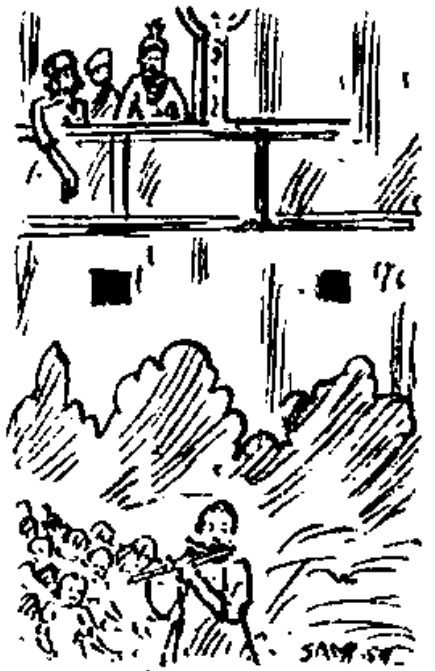
"مالک ان بچّوں کو روکو ! — اس بانسری والے کو ٹوکو
اب کے بچّوں کی خیر نہیں — اپنے بچّے ہیں غیر نہیں !
ہو دیناروں سے کام اسے — دے دو اس کا انعام اسے"
تو راجا بھی شرمندہ ہوا — اور اس کو مالا مال کیا

ساقی فاروقی

بہت دن کی بات ہے ایک راجہ تھا جس کے دان پن کا بڑا چرچا تھا۔ یہ راجہ خلقِ خدا کو سکھ پہنچانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کے لیے دور دور مشہور تھا۔ راجہ کے دربار میں ہر فن کے بڑے بڑے ہوشیار اور قابل لوگ موجود تھے، انھیں میں راجہ کا درباری گویا شنکر بھی تھا۔

یہ گویا اتنا اچھا گاتا تھا کہ سارے ملک میں اس کی شہرت تھی۔ جب کبھی وہ گاتا تو سننے والے محو ہو جاتے اور انھیں ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے کوئی چیز انھیں آسمان کی طرف اٹھائے لیے جا رہی ہو۔

اکثر ایسا ہوتا کہ جب راجہ راج کاج سے تھک کر آتے اور شنکر کو بلوا کر اس کا گانا سنتے تو اس کی رسیلی اور دل لبھانے والی آواز راجہ کا دل خوش کر دیتی، ان کی تھکان دور ہو جاتی اور ان کی طبیعت میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی۔

راجہ ہر ایک سے اپنے درباری گویے کی تعریف کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ کسی راجہ کے دربار میں اتنا اچھا گویا نہیں ہے۔

ایک دن راجہ نے شنکر کا گانا سن کر اس سے کہا، "شنکر! تمھارے رسیلے راگ سن کر مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ شاید ہی سارے سنسار میں کوئی اتنا اچھا گاتا ہو جتنا اچھا تم گاتے ہو۔"

جب کبھی راجہ اس قسم کی باتیں کرتا تو شنکر خاموش اور اداس سا ہو جاتا، ایک دن راجہ نے اس سے پوچھا "شنکر! کیا بات ہے تم اداس کیوں ہو گئے، کیا سوچنے لگے، کیا سنسار میں کوئی تم سے بھی اچھا گانے والا موجود ہے۔"

شنکر نے جواب دیا، "مہاراج، میرا استاد مجھ سے بھی اچھا گاتا ہے۔"

راجہ :- تمھارا استاد کون ہے، کہاں ہے، اسے بلاؤ۔ ہم اس کا گانا ضرور سنیں گے۔"

شنکر:- مہاراج! میرا استاد ایک جوگی ہے، ایک سادھو ہے، وہ کہیں آتا جاتا نہیں، اس کا استھان یہاں سے بہت دور ہے، وہ اپنا سارا وقت دھیان گیان میں صرف کرتا ہے، مہاراج اس کی آواز ایسی مدھر اور ایسی سُریلی

ہو کہ ساری دنیا میں اس کا جواب نہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا، میں کیوں کر آپ کو اس کا گانا سنواؤں۔
راجہ :- شنکر ہم تمھارے استاد کا گانا ضرور سنیں گے، وہ یہاں نہیں آ سکتے تو ہم خود ان کے استھان پر چل کر اُن کا گانا سنیں گے۔
شنکر:- مگر مہاراج وہ کسی کو اپنا گانا نہیں سناتے۔ کبھی کبھی اپنی موج میں گانے لگتے ہیں، اس وقت کوئی سن لے تو سن لے۔
راجہ :- ہم ان کی کُٹی پر ضرور جائیں، کیا عجب ہو کہ اس وقت وہ اپنی موج میں ہوں اور ہمیں ان کا گانا سننے کا موقع مل جائے۔

آخر ایک دن راجہ شنکر کے ساتھ سادھوجی کی کُٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ دو دن اور دو رات یہ قافلہ چلتا رہا، تیسرے دن صبح کو درختوں کے جھنڈ میں راجہ کو ایک چھوٹی سی جھونپڑی نظر آئی، یہی سادھو کی کُٹی تھی۔ اس وقت سادھوجی اپنی کُٹی کے سامنے آسن جمائے، آنکھیں بند کیے تپسیا میں مصروف تھے اور پورب سے نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں ان کے چہرے کی چمک کو اور بڑھا رہی تھیں۔ شنکر نے راجہ کو اشارہ کیا کہ اب آپ آگے نہ بڑھیے اور جہاں ہیں وہیں خاموشی سے کھڑے رہیے۔ اس کے بعد وہ کُٹی کے پیچھے والی جھاڑیوں میں بیٹھ کر گانے لگا اور جان بوجھ کر غلط سُر نکالے۔ جیسے ہی سادھوجی کے کان میں شنکر کی آواز پہنچی وہ ایک دم بولے، "بے سُرا ہو گیا بھیا! بے سُرا۔" بس اسی کا شنکر کو انتظار تھا، یہی سوچ کر وہ بے سُرا ہوا تھا کہ سادھوجی مجھے ضرور ٹوکیں گے۔ اُس نے سادھوجی کی بات سن کر جواب دیا، "مہاراج! آپ خود ایک دفعہ گا دیجیے تاکہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہو جائے۔"

اب کیا تھا سادھوجی نے گانا شروع کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی رسیلی اور مدھر آواز سے ساری فضا جھُومنے لگی، جیسے ان کے گلے سے ایک نور کی ندی بہ رہی ہو، جنگل کی خاموشی میں بہشت کا سماں بندھ گیا۔

راجہ سادھوجی کے سنگیت میں ایسا محو ہوا کہ اُسے اپنی سدھ بدھ نہ رہی، وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں کہاں ہوں اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

جب شنکر آیا تو راجہ نے اُس سے کہا، "سادھوجی کے سنگیت کے متعلق جو کچھ تم نے مجھ سے کہا تھا وہ تو اس سے زیادہ مدھر نکلا۔ آخر تمھارے گانے میں یہ کیفیت کیوں نہیں ہے، تم ان ہی کے تو چیلے ہو، پھر تم ان کی طرح کیوں نہیں گاتے؟"

شنکر نے جواب دیا، "مہاراج میرے گانے میں وہ کیفیت نہیں پیدا ہو سکتی، میں تو آپ کو یعنی ایک دنیا کے راجہ کو خوش کرنے کے لیے گاتا ہوں اور سادھوجی ایسے نغمہ نواز ہیں جو بھگوان کو خوش کرنے کے لیے گاتے ہیں۔"

مچھلیاں کہاں ہیں؟
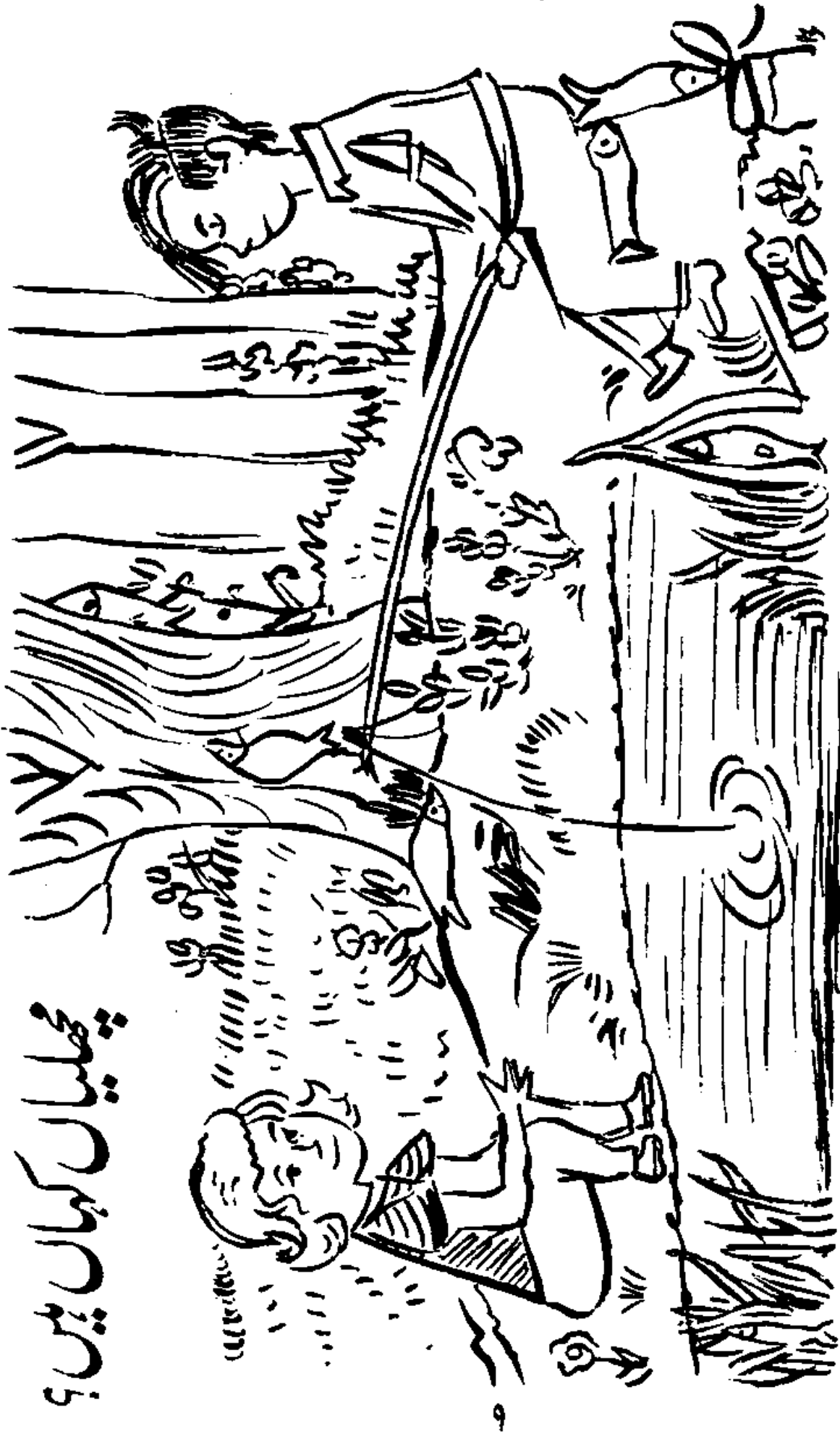
ندیم اور سیما صبح سے مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن انھیں نہیں معلوم کہ اس تصویر میں ۷ مچھلیاں چھپی ہوئی ہیں۔ کیا تم ان سات مچھلیوں کو ڈھونڈ سکتے ہو ؟

(مسرت ہمدرد)

جاپان میں ہر سال ۷ جولائی کو ستاروں کا جشن منایا جاتا ہے جسے وہ "تاناباتا" کہتے ہیں۔ اس جشن کی بنیاد ایک رومانی روایت پر ہے۔

کہتے ہیں کہ آسمانی بادشاہ کی شہزادی کو جو کپڑا بُننے کی بڑی ماہر تھی' ایک چرواہے کے خوبصورت لڑکے سے محبت ہوگئی۔ بادشاہ اپنی بیٹی سے اس قدر مانوس تھا اور اس کی محنت اور بُنائی کے فن میں کمال سے اس قدر خوش تھا کہ اس نے شہزادی کو چرواہے سے شادی کرنے کی اجازت دے دی۔

مگر وہ دونوں کچھ ایسے ایک دوسرے کی محبت میں غرق ہوئے کہ شہزادی نے کپڑا بُننا ترک کر دیا اور چرواہے نے مویشیوں کی دیکھ بھال کی طرف سے غفلت برتنی شروع کر دی۔

اس پر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے ان دونوں محبّت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیا اور مجبور کیا کہ وہ دونوں کہکشاں کے اِدھر اُدھر رہیں، یعنی ایک طرف شہزادی رہے اور دوسری طرف چرواہا۔ شہزادی کو اس کا بڑا رنج ہُوا اور وہ زار و قطار رویا کرتی تھی۔ ایک کیلاسا گی یا نیل کنٹھ ادھر سے گزرا' اسے شہزادی پر بڑا ترس آیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ہر سال کہکشاں پر ایک پُل بنا دیا کرے گا تاکہ شہزادی اس کے ذریعے کہکشاں کو پار کر کے اپنے محبوب سے مل سکے۔

یہ کام اس طرح انجام دیا گیا کہ ۷ جولائی کو بہت سے نیل کنٹھ اکٹھے ہوگئے اور انھوں نے اپنے پر کھول کھول کر ایک دوسرے سے ملا لیے اور کہکشاں پر ایک پُل بنا دیا اور اس پُل پر سے گزر کر ہر سال ۷ جولائی کو شہزادی اپنے محبُوب سے ملنے کے لیے کہکشاں کے دوسری طرف جانے لگی۔

مگر اس حکایت کا ایک خبر یہ بھی ہو کہ اگر ۷ جولائی کو بارش ہو رہی ہو تو نیل کنٹھ پُل نہیں بنائیں گے، اور شہزادی کو پُل پار کرنے کے لیے اگلے سال تک انتظار کرنا پڑے گا۔

گو اس حکایت کا موضوع ایک حد تک غم انگیز ہے، پھر بھی ستاروں کا جشن بہت خوشی اور مسرت کے جذبہ سے منایا جاتا ہے۔ ۷ جولائی کو بُننے کی ماہر شہزادی سے وہ لوگ کپڑا بُننے اور سلائی وغیرہ کے کام میں ترقی چاہتے ہیں، منّت مانگتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی شہزادی کی مدد کے خواہاں ہوتے ہیں جو موسیقی

یا شاعری میں ترقی چاہتے ہیں، کیوں کہ شہزادی کو ان فنون میں بھی کمال حاصل تھا۔
اس کے علاوہ جو لوگ کھیتی باڑی میں ترقی چاہتے ہیں، چرواہے کی رُوح سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ستاروں کا جشن جاپان میں اب بچّوں کا تہوار بن گیا ہے۔ یہ تہوار منانے کے لیے ۷ جولائی کو دروازوں کے سامنے بانس کے پیڑ لگائے جاتے ہیں اور اس کی شاخوں پر رومانی گیت لکھ لکھ کر ٹانگے جاتے ہیں اور کھونٹوں کی شکل کے کاغذ کاٹ کاٹ کر لٹکائے جاتے ہیں۔ انھیں شاخوں پر پانچ رنگ کے تاگے اور کاغذ کے غبارے بھی لٹکاتے ہیں، اور ان دونوں محبت کرنے والوں کی روحوں پر پھل، ترکاریاں، کیک اور مٹھائیاں چڑھائی جاتی ہیں۔

صبر کا پھل

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی گاؤں میں جلال نامی ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کی آمدنی بہت قلیل تھی اور اہل و عیال زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے بہت محنت کرنی پڑتی۔ سارا دن خوب دل لگا کر کام کرتا، اور جو اسے مزدوری ملتی اس میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرلیتا۔ تھوڑی ہی مدّت میں اس نے کافی رقم جمع کرلی۔ اس رقم سے اس نے کاروبار کرنے کا ارادہ کیا۔ آخرکار اس نے ایک دکان کرائے پر لی اور جمع کی ہوئی رقم سے سودا خرید کیا۔ باوجود محنت اور کوشش کے وہ کاروبار کو فروغ نہ دے سکا اور اسے اس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ نقصان ہونے پر اسے دوبارہ محنت مزدوری شروع کردی۔ جلد ہی اس نے پھر رقم جمع کرلی اور اب بھیڑ۔ بکریوں کا کاروبار کیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی سال بیماری پھوٹ پڑی اور چند دنوں میں اس کا تمام ریوڑ تباہ و برباد ہوگیا۔ اس کو بھی برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کہتے ہیں "صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے" صبر کرتے ہوئے دوبارہ محنت شروع کردی۔

اب جو اس نے رقم جمع کی، اس سے اس نے اپنے گاؤں میں ایک زمین کا ٹکڑا خرید لیا اور ایک جوڑی بیل بھی خرید لیے۔

ایک دن صبح سویرے وہ ہل جوتنے کے لیے کھیت پر گیا۔ جب وہ ہل چلا رہا تھا، تو ہل کے پھل کے ساتھ زمین سے ایک برتن نکلا۔ جب اس نے برتن کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو برتن اشرفیوں سے بھرا پایا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دل میں خیال کیا کہ میں کیوں خوش ہو رہا ہوں، یہ تو کسی کی امانت ہے، میں نے تو صرف زمین خریدی ہے، نہ کہ اشرفیوں کا برتن۔ اس میں میرا کوئی حق نہیں۔ میں یہ برتن، مالک تک پہنچاؤں گا، اس نے اسی وقت برتن سر پر اٹھایا اور مالک کے گھر پہنچا۔ مالک کو سارا واقعہ سُنایا۔ مالک نے بھی اشرفیاں لینے سے انکار کردیا۔

معاملہ بڑھتا بڑھتا قاضی کے پاس گیا۔ قاضی بھی یہ معاملہ سن کر بہت حیران ہوا اور کوئی فیصلہ نہ کرسکا۔ آخر یہ معاملہ شہر کے خلیفہ کے پاس پہنچا۔ خلیفہ نے کافی سوچ بچار کے بعد مالک سے پوچھا کہ تمھارے ہاں کوئی اولاد ہے؟ اس نے جواب دیا "میرا ایک بیٹا ہے"۔ پھر دوسرے سے پوچھا تو اس نے جواب دیا "میری ایک لڑکی ہے"۔ خلیفہ نے کہا "ان دونوں کی شادی آپس میں کردو، اور اشرفیوں کا برتن ان دونوں کی شادی پر خرچ کردو۔ دونوں اس فیصلے پر رضامند ہوگئے۔ ان دونوں کی آپس میں شادی کردی گئی اور وہ دونوں راضی خوشی رہنے لگے۔

(محمد طالب اختر۔ سیالکوٹ)

درباری مسخرا

راجہ کرشن دیو رایا والیٔ وجے نگر آرٹ کے بڑے رسیا تھے۔ ان کے دربار میں بڑے بڑے فنونِ لطیفہ کے ماہر اور حسن کار اور آرٹسٹ موجود تھے۔

راجہ نے اپنے دربار کے ایک مصوّر کے یہ خدمت سپرد کی کہ وہ محل کے ایک کمرے کی دیواروں پر رامائن اور مہابھارت کے مختلف منظروں کی تصویریں بنادے۔

ایک مہینے کے بعد جب وہ تصویریں تیار ہوگئیں تو راجہ نے اپنے چند مصاحبوں اور درباریوں کے ساتھ ان تصویروں کا معائنہ کیا اور بہت خوش ہوا، مصوّر کو اس کے کمال کی داد دی اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

راجہ کے دربار میں تنالی رام ایک مسخرا تھا۔ اس نے دیوار پر مصوّر کی بنائی ہوئی ایک تصویر کو دیکھ کر راجہ سے کہا، "مہاراج اس آدمی کا صرف ایک ہاتھ نظر آرہا ہے اور تصویر میں خامی رہ گئی، دوسرا ہاتھ کہاں ہے؟"

راجہ کو تنالی رام کی اس بات پر ہنسی آگئی اور آرٹ سے اس درجہ ناواقفیت پر اس کا مذاق اڑایا اور اس سے کہا، "تم اس قدر بے وقوف ہو کہ اتنی سیدھی سی بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دوسرا ہاتھ دوسری طرف ہے اور کہاں ہوتا؟"

راجہ کی اس بات پر اس کے مصاحب اور درباری قہقہہ لگاکر ہنس پڑے۔ مسخرا بہت جھینپا اور اس نے راجہ اور اس کے ساتھیوں سے بدلا لینے کی ٹھان لی۔ کچھ دن بعد تنالی رام کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ راجہ صاحب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، "حضور جب سے میں نے آپ کے محل کی تصویریں دیکھی ہیں میرا یہ جی چاہ رہا ہے کہ میں تصویر کشی کا فن سیکھوں۔" راجہ نے اجازت دے دی۔ دو ڈھائی مہینے تصویر کشی کی مشق کرنے کے بعد اس نے راجہ سے درخواست کی کہ "حضور! مجھے اجازت دیجیے کہ میں محل کے دوسرے کمرے کی دیواروں پر تصویریں بناؤں۔" راجہ

نے اس کی درخواست منظور کرلی اور اپنے محل کا ایک کمرہ اُس کے سپرد کر دیا۔ تنالی رام نے راجہ سے یہ حکم بھی حاصل کرلیا کہ جب تک میں دیواروں پر تصویریں بنانے کا کام پورا نہ کرلوں اس کمرے میں کوئی داخل نہ ہو، جب وہ اس کمرے سے باہر جاتا تو تالا بند کر دیتا۔

ایک مہینہ بعد وہ راجہ کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ آپ اب میری بنائی ہوئی تصویروں کا معائنہ فرما لیجیے۔ راجہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ تنالی رام کی تصویریں دیکھنے کے لیے گیا اور یہ دیکھ کر اُسے بہت ہی ناگوار گزرا کہ تنالی رام نے محل کے کمرے کی دیواروں کو بہت بدنما بنا دیا ہے اور اُن کو بالکل خراب کر دیا ہے، ان تصویروں کی کوئی تک ہی نہیں تھی۔ ایک دیوار پر صرف ہاتھ بنے ہوئے تھے، دوسری پر صرف سر تھے، اس طرح ہر دیوار پر انسان کے جسم کے مختلف حصے تھے۔

راجہ نے سخت غیظ و غضب کی حالت میں تنالی رام سے کہا، "تم نے کمرے کی دیواروں پر تصویریں بنانے کی اجازت مانگی تھی، ان کو ستیاناس کرنے کی نہیں، تم نے محل کے کمرے کی دیواریں خراب کرنے کی جرأت کیسے کی۔"

تنالی رام نے جواب دیا، "مہاراج یہ آرٹ ہے، انسانی جسم کا ہر حصہ الگ دیوار پر ہے، اگر انسان کے سر کو انسان کے دوسرے اعضاء سے ملا دیا جائے تو انسان کا سارا جسم بن جائے گا۔"

راجہ نے سمجھ لیا کہ تنالی رام نے مجھ سے بدلا لیا ہے اور وہ مجھے شرمندہ کرنا چاہتا ہے، شدید غصے میں اس نے تنالی رام کو حکم دیا کہ "یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی مجھے اپنا منھ نہ دکھانا۔"

اگلے دن تنالی رام نے ایک بڑا سا مٹی کا گھڑا خریدا اور اسے اپنے سر پر اس طرح اوڑھ لیا کہ اس کا منھ گھڑے کے اندر چھپ گیا، اسی حالت میں وہ سیدھا راجہ کے حضور میں پہنچ گیا، راجہ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا، "یہ کیا تماشا ہے تنالی رام؟"

تنالی رام نے ادب سے جھک کر جواب دیا، "کل حضور نے غصے میں مجھے حکم دیا تھا کہ مجھے اپنا منھ نہ دکھانا، اس لیے میں اپنا منھ اس گھڑے سے ڈھک کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

تنالی رام کی فہم و فراست پر راجہ اور اس کے درباری ہنس پڑے اور راجہ نے اس کا قصور معاف کر دیا۔

انڈونیشیا

انڈونیشیا مسلمانوں کا ملک ہے، مگر اب سے نو سال پہلے انڈونیشیا کا نام انڈونیشیا نہیں تھا بلکہ ڈچ ایسٹ انڈیز تھا، جو تین سو برس سے چلا آ رہا تھا۔ ہالینڈ کے باشندے، جنھیں ڈچ کہتے ہیں، انڈونیشیا میں آئے اور رفتہ رفتہ اپنی چالاکیوں سے اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ انگریزوں کی طرح انھوں نے بھی انڈونیشیا میں ایک ایسی ہی تجارتی کمپنی قائم کی جیسی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ پھر ملک پر قبضہ کر کے اس کا نام اپنے نام پر ڈچ ایسٹ انڈیز رکھا۔ جغرافیہ اور تاریخ کی پرانی کتابوں میں کہیں بھی انڈونیشیا اور پاکستان کا لفظ نہیں ملے گا کیوں کہ دونوں حکومتیں نئی ہیں، لیکن دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء میں انڈونیشیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی اور انھیں اپنی غلامی کا احساس ہوا تو انھوں نے ڈچوں کو اپنے ملک سے باہر نکال کر اپنی حکومت قائم کرلی اور اس ملک کا نام انڈونیشیا رکھا۔

انڈونیشیا کا دارالحکومت جکارتا ہے جو بہت ہی خوب صورت ہے اور اس کی آبادی ۲۸ لاکھ کے قریب ہے۔ انڈونیشیا میں ہزاروں جزیرے ہیں، مگر ان میں پانچ جزیرے بہت بڑے ہیں۔ نیوگنی جاوا، بورنیو، سماٹرا اور سیلبیز۔ ان میں سب سے زیادہ سرسبز جاوا ہی ہے۔ یہ علاقہ یعنی جاوا بہت ہی پرانا ہے۔ کہتے ہیں سب سے پہلے جو انسان بندر سے آدمی بنا وہ جاوا ہی میں بنا تھا۔ انڈونیشیا میں زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ عیسائی، یہودی اور چینی بت پرست بھی ہیں مگر مسلمان بہت زیادہ ہیں انڈونیشیا بہت ہی سرسبز ملک ہے۔ کہیں بھی ریگستان نہیں ہے۔ یہاں بارش تقریباً روز ہی ہوتی ہے۔ موسم بڑا اچھا ہوتا ہے۔ دنیا کے قیمتی جنگل انڈونیشیا میں ہیں۔ یہاں کے باشندے سانولے رنگ کے اور چھوٹے قد کے ہوتے ہیں۔ بڑے بھولے بھالے سیدھے اور شریف ہوتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں کرتے۔ دراصل اسی وجہ سے ہالینڈ کے لوگوں نے ان کو غلام بنالیا تھا۔ یہ لوگ بڑے جفاکش ہوتے ہیں۔ جکارتا جیسے بڑے شہر میں تین منزل سے زیادہ اونچی کوئی عمارت نہیں ہے۔ زیادہ تر مکان لکڑی کے ہوتے ہیں۔ یہاں کے مرد سفید تہبند اور سفید کوٹ پہنتے ہیں، بعض پاجامہ بھی پہنتے ہیں۔ عورتیں رنگین تہبند

باندھتی ہیں اور گھٹنوں تک کا فراک پہنتی ہیں اور باریک دوپٹہ بھی اوڑھتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں کُرتے بھی پہنتی ہیں، مگر ہمارے جیسے لمبے نہیں بلکہ گھٹنوں سے اُونچے۔ عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور ہر جگہ بڑی آزادی سے گھومتی پھرتی ہیں۔ دفتروں، کارخانوں، کھیتوں اور دُکانوں میں ہر جگہ بے تکلف کام کرتی ہیں۔ یہاں تعلیم عام نہیں تھی کیوں کہ ولندیزیوں نے ان کی تعلیم اور تہذیب کا کوئی خیال نہیں کیا مگر اب انڈونیشی حکومت نے کئی کالج، اسکول اور یونی ورسٹیاں قائم کردی ہیں جہاں ملک کے نوجوان اور نونہال تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اب انڈونیشی قوم میں تعلیم کا شوق پیدا ہو گیا ہے، جس میں حکومت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ حکومت چاہے تو کوئی بچّہ، کوئی نونہال جسے آگے چل کر اپنے ملک کا نام اونچا کرنا ہے، گندی گلیوں اور سڑکوں پر آوارہ پھرتا نظر نہ آئے۔ انڈونیشیا کے لوگ فٹ بال اور کرکٹ سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں۔ لوگ بڑے صاف ستھرے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ دیہات میں بھی لوگ بڑی صفائی سے رہتے ہیں۔ غریب سے غریب بھی ہمیشہ صاف رہتا ہے۔ یہاں غریب امیر میں کوئی فرق نہیں ہے یہاں تک کہ صدر عبدالرحیم سوئیکارنو بھی ایک سیاہ مخملی ٹوپی پہنتے ہیں اور ایک رکشا والا بھی۔ اس ٹوپی کا بہت رواج ہے۔ انڈونیشیا کی آبادی آٹھ کروڑ ہے، جس میں سے سات کروڑ مسلمان ہیں۔

درس

بچّو! رب سے ڈرنا سیکھو — فرض ادا کچھ کرنا سیکھو!

کوئی کرے غیبت تو بُرا ہے — تم تو نہ تہمت دھرنا سیکھو

جہل کی ہر ظلمت کو مٹا کر — علم سے دامن بھرنا سیکھو

درس دو سب کو اپنے عمل سے — نیک عمل پر مرنا سیکھو

توبہ بدی سے کرکے اب تم
اچھی باتیں کرنا سیکھو

(عبدالجبار خاں۔کراچی)

شہد کی مکھّی اور تتلی

(قمر نقوی امروہوی)

شہد کی مکھی اُڑتی اُڑاتی — کلیوں سے دل کو بہلاتی
پھُول کے رُخ کو چُوم کے آئی — سَاتھ اپنے کچھ شہد بھی لائی

نازک شاخ پہ آکر بیٹھی ! — بھینی خوشبو پاکر بیٹھی !
اتنے میں اک تتلی آئی — توڑ کے کیسر پھول کی لائی

بیٹھی شاخ پہ پَر پھیلا کر — شان سے اپنا رنگ دکھا کر
دیکھ کے اس کو شہد کی مکھّی — بولی ، اترا ہٹ نہیں اچھّی

پھول کی صورت سامنے آئے — پھر بھی کیسر پھول کی کھائے
کام ترا بس ایک جہاں میں — کتنے گُن ہیں میری جاں میں

رس پھولوں کا منھ میں چھپا کر — اک اک قطرہ گھر تک لا کر
شہد کا دریا میں نے بنایا — انسانوں کے کام جو آیا

کیسر تو اک پھول سے لائی — دوسرے پھولوں میں رکھ آئی
رنگ برنگے روپ ہیں تیرے — محنت والے کام ہیں میرے

مجھ میں محنت، تجھ میں نزاکت
میرا کام، اور تیری صُورت

ملکوں ملکوں کے بچے

کناڈا کے بچے

اگر تمھیں ایک برف گاڑی پر بیٹھ کر برف کی زمین پر پھسلنے کا موقع مل جائے تو کیسا مزا آئے، مگر تم نے برف گاڑی کہاں دیکھی ہوگی، جن ملکوں میں برف بہت گرتی ہے اور میلوں تک برف کے تختے کے تختے جم جاتے ہیں، اُن ملکوں میں بغیر پہیوں کی ایک گاڑی ہوتی ہے۔ اس گاڑی پر سوار ہو کر برف پر سفر کرتے ہیں۔ بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی برف گاڑیاں ہوتی ہیں، ان پر بیٹھ کر وہ دور دور تک پھسلتے چلے جاتے ہیں اور جب وہ ہموار زمین تک پہنچ جاتے ہیں تو بچے اپنی برف گاڑی کو کھینچ کر پھر پہاڑی کے اُوپر لے جاتے ہیں اور پھر اسی طرح پھسلتے ہیں۔ کناڈا میں سردی بہت پڑتی ہے، پہاڑی ملک ہے، مہینوں زمین سفید برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ بچے تو بچے بڑی عمر کے لوگ بھی سردی کے موسم میں برف گاڑیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے ہیں کیوں کہ اکثر مقامات پر سوائے برف گاڑی کے اور کسی قسم کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔

فرض کرو ہم جہاز سے مانٹریل کے بندرگاہ پر اترے ہیں، پہلی بات تو ہم یہ دیکھیں گے کہ مانٹریل بہت ہی خوبصورت شہر ہے، سیکڑوں چھوٹے بڑے جہاز کنارے پر کھڑے ہوئے نظر آئیں گے۔ مانٹریل میں آدھے سے زیادہ لوگ فرانسیسی بولتے ہیں۔ فرض کرو یہاں سے ہم ریل میں بیٹھ کر کناڈا کی سیر کے لیے روانہ ہوتے ہیں، پہلے تو ریل ہی ہماری نظر اپنی طرف کھینچے گی، کناڈا کی ریلیں بہت خوب صورت اور آرام دہ ہوتی ہیں، ایک ڈبا نشست گاہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے، دوسرا کھانے کا کمرہ سمجھو، ایک سونے اور آرام کرنے کا ڈبا ہوتا ہے جہاں رات کو اطمینان کے ساتھ سو سکتے ہیں اور اس کی ضرورت پڑے گی، اس لیے کہ کناڈا اتنا بڑا ملک ہے کہ اگر سارے ملک کو پار کرنا چاہو تو ایک ہفتہ ریل میں سوار رہنا پڑے گا۔

ایک رات اور ایک دن جنگلوں میں سے گزرنے کے بعد ہمیں ایک بڑی جھیل نظر آئے گی، یہ جھیل دنیا بھر میں سب سے بڑی جھیل ہے۔ اس کے بعد ایک بڑا وسیع میدان آجائے گا۔ ریل کے دونوں طرف ہمیں میلوں تک گیہوں کے کھیت نظر آتے رہیں گے۔

اب پھر جنگل شروع ہو گئے، مگر یہ پہاڑی سلسلے کے جنگل ہیں، ہمیں دور سے پہاڑوں کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں نظر آنے لگیں، رفتہ رفتہ ہم پہاڑوں اور جھیلوں کی سرزمین میں پہنچ گئے اور آخر کار تین ہزار میل کا سفر طے کرکے پھر سمندر کے کنارے جا پہنچے۔ کناڈا میں گرمی کا موسم بہت دیر میں شروع ہوتا ہے۔ جیسے ہی گرمی زور پکڑتی ہے، برف گھل گھل کر دریاؤں میں آجاتی ہے اور دریاؤں میں سیلاب آجاتا ہے کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ سورج کی گرمی سے جنگل کے سوکھے درختوں میں آگ لگ جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے جنگل کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے، گرمی کا موسم تھا، گاؤں کے اسکول میں بچوں کو پہلے سے چھٹی دے دی گئی، ماسٹر نے کہا، "بچو! بھاگ کے جاؤ اور جتنی جلد ہو سکے اپنے گھر پہنچ جاؤ۔ ہوا گرم اور بھاری ہے ضرور کہیں جنگل میں آگ لگ گئی ہے۔"

بچے تیز بھاگے، انہیں تو چھٹی ملنے کی خوشی تھی ان میں ایک خاصی بڑی لڑکی میبل تھی، اُسے تین میل چل کر اپنے باپ کے کھیت پر پہنچنا تھا اور اُسے جنگل میں سے گزر کر جانا تھا، ابھی وہ کچھ ہی دور جنگل میں گھسی تھی کہ جنگل کی آگ کا گرم گرم دھواں اس تک پہنچنے لگا۔

پہلے تو اُلٹے پیروں واپس ہوئی مگر پھر رک کر سوچنے لگی "جنگل کے کھیتوں پر دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اکیلی ہیں مجھے ان کو بچانا ہے اُن کی ماں رات تک کام پر سے واپس نہ ہوگی، اگر میں وہاں نہ پہنچی تو وہ آگ میں جل کر مر جائیں گی۔"

آگ جنگل میں دور دور تک پھیل چکی تھی اور گرم گرم دھواں اس کے منھ پر لگ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا مگر لڑکی ہمت والی تھی۔ وہ برابر آگے بڑھتی رہی، جب وہ کھیت پر پہنچی تو وہ دونوں چھوٹی لڑکیاں ابھی محفوظ تھیں، وہ دوڑی ہوئی آئیں اور اس سے چمٹ گئیں، گھر کے پچھواڑے ایک سوکھا کنواں تھا میبل نے کیا کام کیا کہ ایک لڑکی کو ڈول میں بٹھایا اور کنوئیں کی تہ میں اتار دیا، پھر اسی طرح دوسری لڑکی کو کنوئیں میں اتارا اور آخر میں خود رسّی پکڑ کر اُتر گئی۔ میبل بڑے موقع سے لڑکیوں کو لے کر کنوئیں میں اتری تھی، تہ میں پہنچتے ہی جیسے ہی اس نے اُوپر کو منھ اٹھا کر دیکھا تو کنوئیں کے منھ پر شعلے لپک رہے تھے، مگر کنوئیں کی تہ میں ٹھنڈ تھی اور اندھیرا اچھا رہا تھا۔ کھیت کے کنارے ان لڑکیوں کا گھر آگ کی نذر ہو چکا تھا اور آگ کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا، رات ہو گئی تھی، آسمان پر آگ کا دھواں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سُرخ بادل چھائے ہوں۔ دونوں لڑکیوں نے میبل کے کپڑوں میں اپنے منھ چھپا رکھے تھے اور تھوڑی دیر بعد تینوں لڑکیاں وہیں پڑ کر سو گئیں۔ صبح کو جب اُن کی آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا، انھوں نے کنوئیں کے اُوپر کسی کے بولنے کی آواز سنی اور پیروں کی چاپ کی آواز بھی آئی۔ دونوں لڑکیوں کی ماں اپنی معصوم بچیوں کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

لڑکیوں نے کنوئیں میں سے چیخنا شروع کیا، ماں نے دوڑ کر کنوئیں میں جھانکا میبل بولی "ہم لوگ یہاں ہیں، دونوں لڑکیاں بھی اور میں بھی۔" ماں خوشی سے اچھل پڑی، کنوئیں سے تینوں لڑکیوں کو نکالا گیا ماں میبل سے کہنے لگی "میبل یہ تو نے ایسا کام کیا ہے کہ میں ساری عمر تجھے دعائیں دیتی رہوں گی۔"
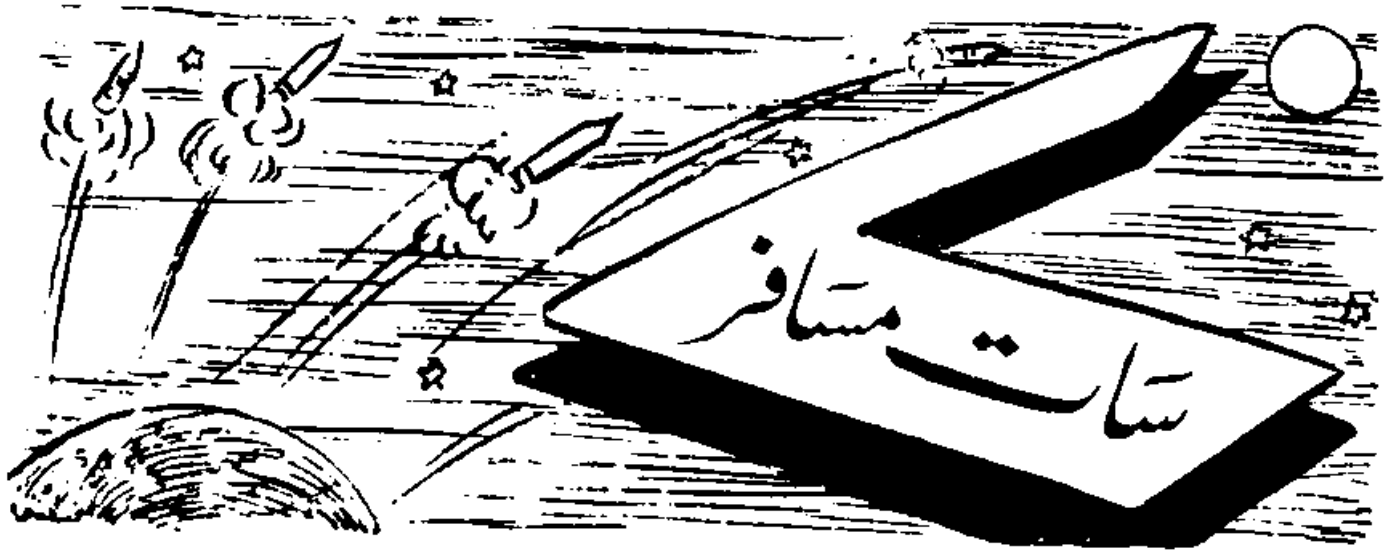
دیکھو سات کا ہندسہ، اور تمام ہندسوں کے مقابلے میں کس قدر اہمیت رکھتا ہے!
سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہفتے کے سات دن ہوتے ہیں، گویا ایک اتوار سے دوسرے اتوار تک سات دن چھٹی کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر پرانے جغرافیے کے اعتبار سے دنیا کی تقسیم سات ولایتوں میں کی گئی تھی۔ چناں چہ دنیا کو ہفت اقلیم کہتے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام بھی ساتویں آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ پھر آسمان کے سات ستارے کافی شہرت رکھتے ہیں، جو سبع سیارہ کہلاتے ہیں۔ گرگٹ جو اپنے رنگ بدلتا ہے، وہ بھی سات ہوتے ہیں اور سورج کی شعاعوں سے جو رنگ پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی سات نکھ جاتے ہیں۔ غرض کہ سات کا ہندسہ اپنے ساتھ کئی خصوصیات رکھتا ہے۔
اتفاق دیکھیے کہ آسمانی فضا کے سفر کرنے والے بھی سات ہی آدمی منتخب ہوئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں :- گرسم ۔ کارپینٹ ۔ شیرڈ ۔ کوپر ۔ گلن ۔ سلیٹن ۔ شیرا ۔
یہ ساتوں آدمی دنیا کے کروڑوں انسانوں میں سے چنے گئے ہیں۔ ویسے تو یہ مسافر ہیں، مگر ابھی ان کے سفر میں دو سال کی دیر ہے۔ آئندہ دو سال کے اندر یہ اپنا سفر اس طرح شروع کریں گے کہ سائنسدانوں کے حکم کے مطابق سب سے پہلے ایک آدمی راکٹ پر سوار ہو کر زمین سے ۱۲۵ میل کی بلندی پر پہنچے گا۔ وہاں پہنچ کر یہ زمین کی کشش سے آزاد ہو جائے گا۔ اس لیے راکٹ زمین ہی کی طرح اپنے مدار پر گھومنے لگے گا۔ اس وقت اس کی گردش ۱۸ ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار پر ہوگی۔
سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آئندہ دو سال میں ان ساتوں مسافروں کی ہمت سے انھیں فضا کے بہت کچھ حالات معلوم ہو جائیں گے، جن کی مدد سے وہ آسمانی فضا سے کام لے کر انسانوں کے لیے بہت زیادہ فائدے اور ترقی کی نئی راہیں کھول دیں گے۔
ان سات مسافروں کا سفر بڑا کٹھن اور جان جوکھم کا ہوگا، مگر یہ دل کے مضبوط، ارادے

کے پختہ اور دُھن کے پکّے مسافر ذرا بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے - ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا، غرض کہ ساتوں آدمی ایک ایک کرکے سائنسدانوں کی ہدایت کے مطابق سفر کا سلسلہ جاری رکھیں گے - اگر پہلا آدمی خیریت سے صحیح سلامت زمین پر واپس آگیا تو دوسرا آدمی اور زیادہ معلومات کرنے کے ارادے اور حوصلے سے روانہ ہوجائے گا۔

اگر خدانخواستہ پہلا آدمی زمین پر واپس نہ آیا تو یہ نہیں کہ دوسرا مسافر موت کے ڈر سے جان چرالے، بلکہ وہ پھر بھی جائے گا، اس لیے کہ سائنس دانوں کی کوششیں برابر جاری رہیں گی اور وہ کسی آدمی کے واپس نہ ہونے پر مایوس ذرا نہیں ہوں گے - ایک نہیں تو دوسرا اور دوسرا نہیں تو تیسرا، آخر کوئی تو واپس آئے گا ہی - اور جو خدانخواستہ ان سات مسافروں میں سے ایک بھی واپس نہ ہوا تو بھی آسمانی فضا کے حالات معلوم کرنے کا شوق برابر اسی طرح قائم رہے گا - ان سات مسافروں کے بعد اور نہ جانے کتنے پیدا ہوجائیں گے۔

کیا تمھیں ان بہادر مسافروں کے حوصلے پر تعجب نہ ہوگا، جنھوں نے انسانی ترقی کے لیے اپنی جان کو اس طرح خطرے میں ڈال کر آسمانی سفر کا ارادہ کیا ہے؟ انسانی بھلائی کا دارومدار انھیں لوگوں کی ہمت پر ہوتا ہے جو محض انسان کی ترقی کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے نہیں گھبراتے - کامیابی کا سہرا بھی انھیں کے سر بندھتا ہے۔ (قیصر مُراد آبادی)

یاد رکھنے کی باتیں

۱- ہمیشہ علما اور شرفا کی صحبت میں بیٹھو اور بُری صحبت سے پرہیز کرو۔
۲- دوسروں کے عیب نہ ڈھونڈو۔
۳- غرور و تکبّر نہ کرو اور اپنے دل کو حسد سے پاک رکھو۔
۴- بڑوں کا ادب کرو۔
۵- لوگوں سے نرم و شیریں گفتگو کرو۔
۶- کسی کو نہ ستاؤ اور موقع کو غنیمت سمجھو۔
۷- مصیبت میں غیروں کے کام آؤ اور دوسروں کی مدد کرو۔

محمد ضیاء الرحمٰن

پیشے تلاش کیجیے

۱- قادر زیبائش کی دکان پر بیٹھا تھا۔ (درزی)
۲- کالو ہار بنا کرنے آیا۔ (لوہار)
۳- رامو حیل مارنے میں بہت ماہر ہے۔ (موچی)
۴- بھنگ یا چرس دونوں ہی بُرے نشے ہیں۔ (بھنگی)
۵- سُود، اگر دو نہیں تو لو بھی نہیں۔ (سوداگر)
۶- شیر کو سیدھا کرنا بہت مشکل ہے۔ (ناکر)
۷- یہ سوڈا کڑوا ہے۔ (ڈاکٹر)
۸- شرماسٹرے ہوئے امرود کھا رہا ہے۔ (ماسٹر)

بشیر احمد شاہین

یونان کے ملک میں ایک چرواہا تھا، بہت شریف اور نیک - یہ بہت زمانہ کا ذکر ہے، کئی ہزار برس پہلے کا - جب دنیا میں غلامی کا بہت بُرا رواج تھا - اچھے بھلے آدمیوں کے لڑکے لڑکیوں کو ظالم لوگ پکڑ لے جاتے اور کسی دور ملک میں لے جا کر بیچ دیتے، امیر آدمی انھیں خریدتے اور غلام بنا لیتے - ان سے خدمتگاری کراتے، پانی بھرواتے، کپڑے دُھلواتے، کھانا پکواتے اور طرح طرح کے کام لیتے - یہ چرواہا بھی بلارنس نام کے ایک خوش حال آدمی کا غلام تھا اور اس کے پالتو سُؤر چرایا کرتا تھا اور اپنے وطن کو یاد کیا کرتا تھا، جہاں وہ پیدا ہوا تھا - اس کا وطن ایک جزیرہ تھا، جو بہت بڑا تو نہیں ہرا بھرا بہت تھا - بھیڑوں اور گایوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہی وہاں کے لوگوں کے پاس تھے، ان کا دودھ دہی اور گوشت جزیرہ والوں کی غذا تھی، ہر طرح کے پھل بھی وہاں ہوتے تھے جنھیں مزے لے لے کر کھاتے تھے، اسی لیے ان کی صحتیں اچھی رہتی تھیں، کبھی کوئی بیمار نہ ہوتا تھا اور سب لمبی لمبی عمریں پاتے تھے، جزیرہ کا حاکم ایک نواب تھا جس کا نام تھا سی - ٹی - لس، وہ اپنی بیگم کے ساتھ ایک شاندار محل میں رہتا تھا، اس کی اچھی عادتوں کی وجہ سے رعایا اُسے پسند کرتی اور اس کی مرضی پر چلتی تھی، وہ بھی رعایا کا بہت خیال رکھتا اور ہر مشکل میں ان کا ساتھ دیتا، کبھی کسی کے ساتھ سختی نہ کرتا - اس کے محل میں بیگم کے علاوہ ایک اور عورت بھی تھی، جو خریدی ہوئی باندی تھی - بردہ فروش کسی دور شہر سے لا کر اُسے بیچ گئے تھے - یہ کسی اُونچے گھر کی لڑکی تھی - شکل صورت کی بھی اچھی اور ادب و تمیز کے ساتھ سُگھڑ بھی تھی - اس کے سلیقہ اور صفائی کی وجہ سے محل کے زیب و زینت کو چار چاند لگ گئے تھے - نواب کی بیگم کو بھی اس سے بڑا آرام ملتا تھا - کچھ دنوں بعد بیگم کے ایک چاند سا بچہ پیدا ہوا - نواب اس پیارے بچے کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا - محل ہی میں نہیں، سارے جزیرہ میں خوشیاں منائی گئیں، تمام رعایا نے حاضر ہو کر مبارک باد دی - عورتوں نے گیت گائے، مردوں نے کھیل تماشے کیے - نواب نے بہت بڑی دعوت کی، سونے کے برتنوں میں کھانا کھلایا گیا اور ننھے نواب کی لاڈ پیار سے پرورش ہونے

لگی۔ جب وہ ذرا ہوشیار ہوا تو خوبصورت باندی اس کی کھلائی بن گئی۔ بچّہ بھی اس سے ہل گیا اور ہر وقت اس کے پاس رہنے لگا۔ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو جہاں کہیں وہ جاتی ساتھ ساتھ بچّہ بھی جاتا بیگم کو بھی باندی پر پورا بھروسہ تھا۔ اپنی طرف سے وہ بھی کھلائی کا بہت خیال رکھتی جو خود کھاتی وہی اُسے کھلاتی۔ اپنے لباس کے ساتھ اس کے کپڑے بھی تیار کراتی۔ غرض کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ ہونے دیتی پھر بھی وہ عورت خوب سمجھتی تھی کہ میں زر خرید لونڈی ہوں اور غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہوں، آزادی کی کوئی صورت نہیں۔ کسی حیلے سے نکل بھی چلوں تو جزیرے کے چاروں طرف سمندر ہے، اس میں ڈوب کر مرنے سے تو رہی۔ دل میں کڑھ کڑھ کر رہ جاتی تھی۔ جزیرے میں کبھی کبھی سوداگری جہاز آجایا کرتے تھے، جو دوسرے ملکوں کی بنی ہوئی بھڑکیلی چیزیں لاکر جزیرے کے سیدھے سادے آدمیوں کے ہاتھ بیچتے اور جزیرے کی پیداوار مول لے کر جہاز میں بھرتے اور آگے کی راہ لیتے۔ بہت دنوں کے بعد ایسا ہی ایک سیاہ رنگ کا جہاز جزیرہ کے ساحل پر آکر ٹھہرا، جہاز والے لالچی بھی تھے اور چالاک بھی، اپنی لائی ہوئی چیزیں مہنگے مول جزیرے والوں کو دیں اور یہاں کی چیزیں سستے داموں خریدنے لگے۔ یہ جہاز کئی مہینے تک یہاں ٹھہرا رہا۔ اُس زمانے میں جہاز انجن سے نہیں چلتے تھے بادبانی کے سہارے چلائے جاتے تھے۔ اس کے لیے ہوا کا موافق ہونا ضروری تھا اور ہوا مخالف چل رہی تھی۔ جہاز والے وقت کاٹنے کو جزیرے میں گھوما پھرا کرتے تھے، ایک دن نواب کی کنیز چشمہ پر کپڑے دھو رہی تھی کہ ایک جہازی سیر کرتا ہوا وہاں آگیا۔ عورت پر جو نظر پڑی تو پاس آکر پوچھنے لگا کہ تم صورت شکل سے یہاں کی رہنے والی نہیں معلوم ہوتی ہو اس جزیرے میں کیسے آگئیں، باندی تو اپنی غلامی سے اُکتائی ہوئی تھی ہی، کہنے لگی، میں تو سیدان کے ایک بڑے آدمی کی بیٹی ہوں، ایک روز ابا کے ساتھ کھیتوں پر سیر کو گئی تھی وہاں سے اکیلی گھر آنے لگی، راستہ میں پردیسی لٹیرے مجھ پر آ پڑے اور پکڑ کر سمندر پر لے گئے۔ وہاں ان کی کشتی موجود تھی، اس میں ڈال کر کشتی کھینے لگے۔ اور کئی شہروں میں پھرتے پھراتے یہاں لائے اور اس جزیرے کے نواب کے ہاتھ لونڈی بنا کر مجھے بیچ دیا۔ اب میں نواب بیگم کی بانڈر ہوں۔ جہازی آدمی نے کہا، تمھارے باپ کو میں جانتا ہوں، وہ زندہ اور سلامت ہے ہم اس سے تانبہ خریدا کرتے ہیں، وہ تانبے کا بہت بڑا بیوپاری ہے اور پہلے سے بہت زیادہ دولت مند ہو گیا ہے۔ تم اپنے ماں باپ سے ملنا چاہو تو ہمارے ساتھ جہاز میں چلی چلو، عورت تو دل سے یہی چاہتی تھی، کہنے لگی "تم میرے ساتھ کوئی دغا فریب تو نہ کرو گے اور حفاظت سے مجھے گھر پہنچا دو گے" اُس آدمی نے قسم کھا کر وعدہ کیا، عورت مطمئن ہو گئی تو اُس نے کہا، دیکھو یہ بات تو پکی ہوگئی اب میں چلنے کو تیار ہوں، مگر جب تک تم لوگ یہاں رہو مجھے راہ ہاٹ میں دیکھ کر بات نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو——
——کہ نواب تک سن گن پہنچے اور اُسے میرے بھاگنے کا شبہ ہو جائے۔ میں تو خیر قید کر دی جاؤں گی مگر تمھاری جانوں کی بھی خیر نہیں، سب کے سب جہازی قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس آدمی نے سہم کر کہا "پھر

تم چلنے کا ارادہ نہ کرو۔" عورت بولی "نہیں نہیں میں ضرور چلوں گی، بس اتنی احتیاط ضروری ہے، پھر جب جہاز چلنے کو ہو، مجھے کسی طرح خبر کرا دینا۔ نواب کے ہاں بہت ساز و سامان ہے، جتنا بھی لا سکی لے کر آجاؤں گی اور ایک اور شئے بھی، جسے تم بہت زیادہ داموں میں بیچ سکو گے، آدمی نے لالچ میں آکر پوچھا۔" وہ کیا؟" عورت نے بتایا۔" نواب کا ایک چھوٹا سا لڑکا ہے بہت خوبصورت، وہ مجھ سے بہت ہلا ہوا ہے، جس طرح مجھے نواب نے لونڈی بنا کر رکھا ہے، اسی طرح اس کے چہیتے بیٹے کو میں غلام بنوانا چاہتی ہوں۔ جہازی یہ سن کر اور بھی خوش ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اُسے ضرور لانا، وقت پر تمھیں جہاز کی روانگی کی خبر دے دینگے اور تمھارے کہنے کے مطابق ہر طرح احتیاط رکھیں گے۔

جب موسم بدلا، ہوائیں اس رُخ پر چلنے لگیں، جدھر جہاز کو جانا تھا۔ وہی جہاز والا آدمی ایک قیمتی ہار لے کر نواب کے محل پر پہنچا اور قیمتی تحفہ پیش کرنے کی اطلاع کرائی، نواب نے اسے محل کے اندر بلا لیا اس کی بیگم ہار دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور جزیرے کی کئی عمدہ چیزیں اسے انعام میں دیں، جو بیگم کے حکم سے وہی کنیز اندر سے لائی جس وقت آدمی کو یہ چیزیں دے رہی تھی، اس نے اشارہ سے بتایا کہ آج جہاز چلنے کو تیار کھڑا ہے۔ نواب اس آدمی کو رخصت کرکے محل کے بڑے دالان میں چلا گیا۔ وہاں جزیرے کے بہت سے مرد عورتیں کسی معاملہ کو طے کرانے آئے تھے، بیگم بھی نواب کے ساتھ ہولی، کنیز عورت کو موقع مل گیا۔ جتنی دولت لے سکتی تھی، اپنے کپڑوں میں چھپالی اور ننھے نواب کی انگلی پکڑ کر محل سے باہر نکلی، کسی نے دیکھا بھی تو خیال نہ کیا کہ بھاگ رہی ہے۔ تیز تیز چلی اور سیدھی جہاز پر پہنچی اور لڑکے کو ساتھ لے کر سوار ہوگئی۔ بھولا بھالا بچّہ جہاز کو چلتا دیکھ کر خوش ہوتے اور تالیاں بجانے لگا، اس معصوم کو کیا خبر کہ اپنے ماں باپ سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ رہا ہے ۶-۷ دن تک جہاز ٹھیک چلتا رہا۔ عورت خوش تھی کہ اپنے ماں باپ سے جاکر ملے گی اور نواب کے بچّے کو اس کے ماں باپ کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل کرکے اپنا بدلہ لے گی، ایک رات جانے کیا ہوا کہ پڑ کر جو سوئی تو پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا، دن چڑھے تک نہ جاگنے پر جہاز والوں نے ہلایا جلایا تو پتہ چلا کہ مرگئی ہے، اس کی لاش اٹھا کر سمندر میں پھینک دی اور جو سونا وہ نواب کے محل سے چرا کر لائی تھی آپس میں بانٹ لیا۔ نواب کے بچّے کو بہت دنوں تک اپنے ساتھ لیے لیے پھرے اور جب وہ ذرا بڑا ہوگیا تو ایک شہر میں لے جاکر بیچ دیا۔ جب وہ اپنے آقا کی غلامی کرتے کرتے جوان ہوگیا تو مالک نے اسے اپنے پالتو سوّروں کا چرواہا بنا دیا۔ یہ کہانی جس چرواہے کے ذکر سے شروع کی گئی ہے اس نے اپنے ایک غلام دوست آڈی ہنس سے کہی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ غریب چرواہا پھر کبھی جزیرے جاسکا یا وہاں کے آدمیوں پر حکومت کرنے کے بجائے ہمیشہ سوّروں ہی کا حاکم بنا رہا۔

(ارشد تھانوی)

کسی جنگل میں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ اس درخت پر ایک ننھی سی گلہری کا گھونسلہ تھا۔ ٹھیک اسی کے نیچے درخت کی جڑ میں ایک چوہیا رہتی تھی۔ دونوں کی آپس میں دوستی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے گھر آتی جاتی تھیں۔ گلہری اپنی پیاری سہیلی چوہیا کو بزرگوں کی اچھی اچھی باتیں سُناتی تھی اور چوہیا اسے غور سے سنتی تھی۔ اس نے یہ مقولہ بھی سُنایا کہ آڑے وقت کے لیے کچھ پس انداز بھی کرنا چاہیے۔ اور ایسی ہی بہت سی انمول باتیں چوہیا کو بتائیں۔

موسم برسات قریب تھا۔ چوہیا سے گلہری نے ایک دن کہا "بہن! دیکھو، بارش کا کوئی بھروسہ نہیں، تمہارا گھر نیچے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تیز بارش آجائے اور پانی تمہارے بل میں آجائے۔ تم جو کچھ اناج اور کھانا وغیرہ لاتی ہو، وقت بے وقت کے لیے اس میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر اوپر درخت پر میرے گھونسلے کے قریب رکھ دیا کرو۔ میں بھی جو کچھ مجھے مل سکے گا، تھوڑا یا بہت، لا کر جمع کرتی رہا کروں گی۔ اگر خدانخواستہ تمہارے گھر کو بارش سے نقصان پہنچا تو کھانے کی تکلیف تو نہ ہوگی۔ میں تو درخت کے پھل کھا کر بھی گزارا کر لوں گی۔ چناں چہ دونوں میں یہ بات طے ہوگئی اور وہ تھوڑا تھوڑا کھانے کا سامان ضرورت کے لیے اکٹھا کرنے لگیں۔ تھوڑے دن میں کافی مقدار میں غلہ جمع ہوگیا۔

ایک دن گلہری تو کہیں گئی ہوئی تھی، چوہیا کو خیال آیا کہ کھانے کا اتنا سامان جمع ہوگیا، اب کیوں باہر جا کر زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر تھوڑا بہت اسی میں سے کھا لیا کروں تو کیا حرج ہوگا۔ گلہری کو خبر بھی نہ کی جائے۔ یہی سوچ کر چوہیا نے جمع کیے ہوئے غلہ میں سے تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی دن بعد تمام غلہ ختم ہوگیا۔ موسم برسات شروع ہو چکا تھا۔ آسمان پر گھرے گھرے بادل چھائے رہتے تھے۔ کبھی دھوپ نکل آتی تھی، کبھی ہلکی پھوار۔

آخر ایک روز مزا ہی آگیا۔ اتنی سخت بارش ہوئی کہ پہلے شاید ہی کبھی ہوئی ہو۔ تمام ندی نالے بھر گئے۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ بڑے بڑے جانور پانی میں بہہ گئے۔ ایسے میں ننھی سی چوہیا کس گنتی میں تھی۔ جیسے ہی پانی تیز ہوا، جھٹ درخت پر چڑھ گئی، لیکن ہائے اللہ! اب کیا کرے، اپنی سچی دوست گلہری کا کہا تو مانا ہی نہ تھا۔ اب کھائے گی کیا؟

گلہری نے کہا کہ فکر کیوں کرتی ہو، درخت میں کھانا موجود ہے، میرا کیا ہے، میں پھل کھا کر بھی گزارا کر لوں گی۔ گلہری کو حقیقت کب معلوم تھی۔ مگر اس کو کیا جواب دیتی؟ بڑی شرمندگی سے گردن جھکا لی۔

سچ ہے آڑے وقت کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور بچا کر رکھنا چاہیے۔

سائنس کی باتیں (۱۲)

بعض اشیا کا ظاہر و باطن

حامد اللہ افسر
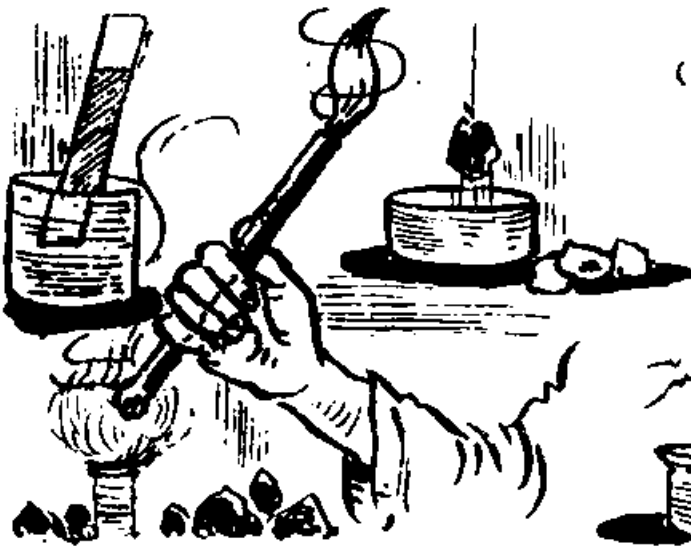
بعض اشیا ہمیشہ وہی نہیں ہوتیں جو وہ نظر آتی ہیں، اس لیے کسی چیز کو دیکھ کر پہلا اثر جو طبیعت پر ہوتا ہے اگر وہ عجیب سا معلوم ہو تو اسے اچھی طرح جانچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ہم ایک دھات کو دوسری دھات میں تبدیل نہیں کرسکتے، تاہم اگر تم ایک چاقو کے پھل یا صاف اور چمکدار لوہے کے ایک ٹکڑے کو ایک نیلی نیلی سیال شے میں ڈال کر نکالو تو ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ چاقو کا پھل یا لوہے کا ٹکڑا تانبے میں تبدیل ہوگیا، مگر اصل میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ نیلی نیلی سیال شے سلفورک ایسڈ (گندھک کا تیزاب) میں تحلیل شدہ تانبا ہے اور اسے انگریزی میں "کاپر سلفیٹ" کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تانبا اس سیال شے کے اندر موجود ہے مگر پوشیدہ ہے۔ جب لوہا سیال شے سے باہر نکالا جاتا ہے تو لوہے پر چمکتے ہوئے تانبے کی تہہ چڑھی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے لوہے کی ماہیت بدل گئی ہے اور وہ تانبا بن گیا ہے۔

پرانے زمانے میں بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم چاندی کو سونے میں تبدیل کردیتے ہیں، وہ بھی اسی قسم کی تدبیر کرتے تھے۔ سونے کے ڈلے پر چاندی کا ملمع کردیتے تھے یا چاندی کی تہہ چڑھا دیتے تھے اور کہتے تھے یہ چاندی کا ڈلا ہے، پھر اس ڈلے کو ایک سیال شے میں ڈال کر نکال لیتے تھے۔ اب وہ چاندی کا ڈلا سونے کا ڈلا بن جاتا تھا۔ اصل میں ہوتا یہ تھا کہ وہ سیال شے ایک ایسڈ یا ترشہ ہوتا تھا۔ جو سونے کے ڈلے پر چڑھی ہوئی چاندی کو تحلیل کردیتا تھا۔ غرض یہ سیدھا سادا قاعدہ کہ ایک دھات دوسری دھات میں تبدیل نہیں ہوسکتی، بالکل صحیح ہے اور جو چیزیں اس کی تردید کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں وہ دوسرے قاعدوں کی مثالیں ہیں۔

جیسے تانبا نیلے سیال میں پوشیدہ تھا، اسی طرح ہمارے اردگرد بہت سی چھپی ہوئی چیزیں ہیں، یعنی وہ چیزیں ہیں تو کچھ مگر کچھ اور نظر آتی ہیں۔ ان کو ظاہر کرنے سے پہلے ان قاعدوں کا جاننا ضروری ہے جن کی پابندی وہ کرتی ہیں۔

روشنی پیدا کرنے والا گیس کوئلے میں چھپا ہوا ہے، اگر کوئلے کے چند ٹکڑے مٹی کی ایک لمبی نلکی کے اندر رکھے جائیں اور نلکی کا ایک سرا مٹی سے بند کردیا جائے اور اس نلکی کو اسپرٹ کے لیمپ سے خوب گرم کیا جائے تو کوئلے سے گیس نکل آئے گا۔ ہم اسے نلکی کے دوسرے سرے پر روشن کرسکتے ہیں، گیس اسی طرح بنایا جاتا ہے۔

گو وہ بہت بڑے پیمانے پر بنایا جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ گیس نکلنے کے بعد نلکی میں ایک کالی کالی لیسدار چیز رہ جاتی ہے، جسے تارکول کہتے ہیں۔ اگر صحیح قاعدوں کی پابندی کی جائے تو تارکول سے بڑے خوب صورت رنگ بنتے ہیں۔

المونیم جس سے ہمارے استعمال کے برتن بنتے ہیں، چکنی مٹی اور بعض اور خاص قسم کی مٹی میں چھپا رہتا ہے۔ اسے بنانے کے لیے بجلی کی بڑی بڑی فیکٹریاں قائم کی جاتی ہیں۔

سیندور دیکھنے میں سیسہ نہیں معلوم ہوتا، مگر اصل میں اس کا سب سے بڑا جز سیسہ ہی ہوتا ہے، اور اسے سیسے سے تیار کیا جا سکتا ہے، یا چند قاعدوں کی پابندی کر کے اس سے سیسہ بنایا جا سکتا ہے۔

چیزیں اصل میں وہ نہیں ہوتیں، جو وہ نظر آتی ہیں، لیکن ایک یا دو قاعدوں کی مدد سے بہت سے راز کھولے جا سکتے ہیں۔

مُسکرائیں

چچا: (بھتیجے سے) اگر قیامت آجائے تو تم کہاں جاؤ گے؟
بھتیجا: ماموں کے گھر!

اُستاد: (کلیم سے) کمپونڈر کسے کہتے ہیں؟
کلیم: جو کم پوڈر لگائے!

شیخ جعفر حسین طاہر

لطیفہ

دوست: (ڈاکٹر سے) آخر آپ نے ڈاکٹری کو کیوں پسند فرمایا ہے؟
ڈاکٹر: اس لیے کہ اگر اس پیشہ میں مَیں کوئی غلطی کرتا ہوں تو مٹی اس کو چھپا دیتی ہے۔

محمد ضیاء الرحمٰن

یہ لطیفے کس نے لکھے؟

(یہ لطیفے جس نونہال نے بھیجے ہیں، اس نے اپنا نام نہیں لکھا۔ وہ اپنا نام لکھ دیں تو آئندہ شائع کر دیا جائے گا)

باپ: (ناراض ہو کر) میں نے سُنا ہے آج تم اسکول جانے کے بجائے کرکٹ کھیلنے گئے تھے۔
بیٹا: جی نہیں۔
باپ: ثبوت؟
بیٹا: دیکھ لیجیے، میری مچھلیاں پکڑنے والی ڈوری ابھی تک گیلی ہے۔

باپ: مربع کسے کہتے ہیں؟
بیٹا: جو امی جان بڑی احتیاط سے الماری میں چھپا دیتی ہیں۔

تھانیدار: تم نے پولس اسٹیشن کے سامنے ہی جیب کاٹنے کی کوشش کیوں کی؟
جیب کترا: جی، آپ کے سپاہیوں کو زیادہ دُور جانے کی محنت سے بچانے کے لیے ....!

منظر :- ریاض صاحب کا گھر- ریاض صاحب انگرکھا پہنے، عینک ناک پر لگائے، نوکروں کو اسباب باندھتے دیکھ رہے ہیں - وہ دوست کے ہاں شادی پر جانے والے ہیں، لیکن پریشان ہیں کہ دعوت نامہ کیوں نہ آیا (اپنے آپ سے (دس بارہ آنے کی بات تھی، تار ہی بھیج دیا ہوتا- بیگم بھی تو سچ کہتی ہیں، بن بلائے جانا اچھا معلوم نہیں ہوتا- چلو کوئی غیر تھوڑے ہیں، اور انھیں خط بھی لکھ دیا کہ "آرہا ہوں"۔ اسی وقت سامنے سے محمد شفیع تار گھر کا چپراسی آتا ہوا دکھائی دیتا ہے)

ریاض صاحب :- آؤ بھئی تمھارا ہی انتظار ہو رہا تھا - (ریاض صاحب دستخط کرکے تار لیتے ہیں "اے! بیگم سے مخاطب ہوکر) لو آگیا ہے بُلاوا - تار بھیجا ہے - تار - اب دیر کیا ہے؟ جلدی کرونا!"

آواز : ابھی آئی -

ریاض صاحب :- اب آؤ بھی نا - (اپنے آپ سے) واللہ! کیا دوست ہے تار کے ذریعہ دعوت نامہ بھیجا ہے دوست ہو تو ایسا ہو - کیوں؟ (شبراتی سامنے آتا ہے) جی سرکار! -

ریاض صاحب :- سامان بندھ گیا؟

شبراتی :- جی سرکار! (بیگم اترتی ہیں - سر پہ برقع اور بغل میں بقچہ ہے)

ریاض صاحب :- میں نہ کہتا تھا بلاوا ضرور آئے گا اور وہ بھی تار کے ذریعہ -

بیگم :- یہ تو اچھا ہوگیا - کسی کے ہاں بن بلائے چلے جانا بھی تو ٹھیک نہیں ہوتا -

ریاض صاحب :- جی! تم کیا جانو - دوست ہے دوست! بھلا بلاوا کیوں نہ آتا؟ اچھا اب دیر نہ کرو -

بیگم :- چلو میں تو تیار ہوں -

(دونوں باہر نکلتے ہیں ریاض صاحب کی بغل میں چھاتا ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے میں بیگ ہے)

ریاض صاحب:۔ (چند قدم چل کر رُکتے ہوئے بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے)، تم ذرا ٹھیرو میں ابھی آیا۔
مکان کی طرف لپکتے ہوئے (ڈیوڑھی میں پہنچ کر) ارے او شبراتی! او رمضانی! ارے کہاں
مرگئے سارے۔ میرا چھاتا تو لا دو۔ ارے بولتے کیوں نہیں کیا سانپ سونگھ گیا ہے تمھیں۔ (بڑبڑاتے
ہوئے واپس ہوتے ہیں، اچھا واپس آکر ان نالائقوں سے سمجھوں گا (ڈیوڑھی میں بیگ چھوڑ واپس
آجاتے ہیں)۔

بیگم:۔ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟

ریاض صاحب:۔ (غصّے میں) ناک میں دم کر رکھا ہے اِن مردودوں نے پہر بھر سے چلّا رہا ہوں کوئی سنتا
ہی نہیں۔ چھاتا تو لیا ہی نہیں۔

بیگم:۔ بات کاٹتے ہوئے" چھاتا! کونسا چھاتا؟"

ریاض صاحب:۔ (جھلّا کر) واہ پوچھ رہی ہیں کونسا چھاتا۔ وہی چھاتا جو پچھلے سال رحیم خان والوں سے لیا تھا۔

بیگم: (ہنسی کو دباتے ہوئے) اور یہ آپ کی بغل میں کیا ہے؟

ریاض صاحب:۔ (کھسیانے ہوکر) اچھا چھوڑو اس قصّے کو اور جلدی چلو کہیں گاڑی نہ نکل جائے۔
(بیگم رُکتے ہوئے اور منھ میں انگلی دبائے ہوئے) جیسے کچھ یاد کر رہی ہیں۔

ریاض صاحب:۔ اب ٹھہر کیوں گئیں۔

بیگم:۔ عطردان تو لیا ہی نہیں۔

ریاض صاحب:۔ اجی چھوڑو بھی۔

بیگم:۔ چھوڑوں کیسے لوگ کیا کہیں گے ریاض صاحب کے گھر سے آئیں اور عطردان بھی پاس نہیں (بیگم لوٹتی
ہیں اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے) ارے شبراتی، لطیفن! (تھوڑی دیر میں بیگم عطردان لیے نیچے
اترتی ہیں۔ ڈیوڑھی میں میر صاحب ملتے ہیں)

ریاض صاحب:۔ (سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے) مل گیا عطردان؟

بیگم:۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

ریاض صاحب:۔ میرا بیگ اوپر رہ گیا ہے (میر صاحب ٹھوکر لگنے سے گر پڑتے ہیں۔ بیگم سب کچھ پھینک پھاک
کر اوپر بھاگتی ہیں۔ بیگم ریاض صاحب کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں) چوٹ تو نہیں آئی؟۔

ریاض:۔ ہائے (اُٹھتے ہوئے)، گاڑی کا وقت قریب ہے۔ آہستہ آہستہ نیچے اترتے ہیں۔ بیگم بازو کا سہارا دیتی ہیں۔

بیگم:۔ (تھوڑی دُور چل کر) اُوئی اللہ! میرا بقچہ وہیں رہ گیا سارا زیور اُسی میں ہے: آپ چلیے میں آئی
(گھر سے نکلتی ہیں تو ریاض صاحب مکان میں داخل ہوتے ہیں)

بیگم:۔ آپ بھی آگئے؟

ریاض صاحب:۔ زردہ تو لیا ہی نہیں!
بیگم:۔آج یہ کیا ہو رہا ہے۔کبھی میں بھول جاتی ہوں کبھی آپ بھول جاتے ہیں۔
ریاض صاحب:۔ میں بھی حیران ہوں آخر یہ قصّہ کیا ہے۔
بیگم:۔ میں تو سمجھوں مہورت ٹھیک نہیں۔
ریاض صاحب:۔ لو اب یہ قصہ لے بیٹھیں۔
بیگم:۔ اچھا یوں کریں کہ تمام چیزوں کی فہرست تیار کریں، کیوں ٹھیک ہے نا؟
ریاض صاحب: ٹھیک ہے۔ (دونوں ایک ساتھ لوٹتے ہیں)

دوسرا سین

(ریاض صاحب کے مکان کا ایک کمرہ)

ریاض صاحب:۔ جلدی کرو جی! ہاں یہ دیکھ لو کہ میرا بیگ چھڑی اور چھاتا تو ہے نا۔
بیگم:۔جی! (اطمینان سے) یہ بیگ۔ یہ چھڑی اور یہ چھاتا آپ کا سامان ٹھیک ہے نا؟
ریاض صاحب:۔ بالکل ٹھیک، اب اپنی چیزیں دیکھو۔
لوسنو نمبر(۱) بقچہ (بیگم اٹھاکر دکھاتی ہیں) ٹھیک۔ نمبر(۲) عطردان (بیگم اٹھاکر دکھاتی ہیں) نمبر۳ پاندان (بیگم اٹھاکر دکھاتی ہیں) ٹھیک۔
ریاض صاحب:۔ اب دیر نہ کرو یہ کام تو ہوا بالکل ٹھیک چلو اب چلو۔دونوں جلدی جلدی سیڑھیاں اترتے ہیں۔

تیسرا سین

اسٹیشن:۔ گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہے میر صاحب اور ان کی بیگم بھاگتے ہانپتے چلے آتے ہیں۔
ریاض صاحب: جلدی کرو گاڑی ابھی کھڑی ہے۔ بیگم:۔ (ہانپتے ہوئے) اُف!۔ ریاض صاحب:۔ ہمّت نہ ہارو۔ (ابھی اسٹیشن کے باہر ہی ہوتے ہیں کہ سیٹی بجتی ہے گارڈ جھنڈی ہلاتا ہے اور گاڑی حرکت میں آجاتی ہے) چھک چھک چھک۔
ریاض صاحب:۔ (ٹھہرتے ہوئے) نکل گئی کمبخت! لو یہ بھی اچھا ہوا میرا بیگ، چھڑی اور چھاتا گھر پر ہی رہ گئے ہیں۔
بیگم:۔ اور میں بقچہ اور عطردان بھی تو نہیں لاسکی۔ (افسوس کے لہجے میں تار بھی آیا اور دوڑ دھوپ بھی کی پھر بھی گاڑی نہ مل سکی۔
ریاض صاحب:۔ (ایک لمبا سانس لیتے ہوئے) ہاں! (تار کا خیال آتے ہی جیب میں سے لفافہ نکالتے ہوئے) تار تو میں نے پڑھا ہی نہیں۔ (کھول کر تار پڑھتے ہیں) "شادی دسمبر تک ملتوی کر دی گئی ہے"
"دونوں میاں بیوی حیرت سے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگتے ہیں"

(پردہ گرتا ہے)

کھرا اور کھوٹا

کسی شہر میں دو لڑکے رہتے تھے۔ ایک کا نام حامد تھا، دوسرے کو محمود کہتے تھے۔ دونوں کے گھر پاس پاس تھے، اور دونوں ہم مکتب اور ہم سبق تھے۔ حامد رئیس کا لڑکا تھا۔ محمود بے چارا غریب تھا۔ اس کا باپ مر چکا تھا۔ ماں محنت کرکے اس کی پرورش کرتی تھی۔ حامد شاہانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ محمود غریب تھا، اس لیے بہت مشکل سے گزارا کرتا تھا۔ حامد آرام طلب تھا اور محمود محنتی، حامد مدرسہ کو ناپسند کرتا تھا، کیوں کہ وہاں فرش پر بیٹھنا پڑتا تھا، وہ کرسیوں پر بیٹھنے اور مخملی بستر پر لیٹنے کا عادی تھا۔ محمود ماں کی محبت اور شفقت دیکھ کر محنت کا شوقین تھا۔ توجہ سے سبق یاد کرتا تھا اور اپنی جماعت میں اوّل آتا تھا۔ حامد کو اپنے ہم جماعت محمود سے نفرت تھی۔ اسے اپنی امارت کا گھمنڈ اور اپنے ریشمی لباس کا غرور تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حامد کے چچا نے اسے دو رُپے دیے۔ ایک رُپیہ نیا اور چمکدار تھا، دوسرا پرانا۔ رُپے دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ نیا رُپیہ، جو خوبصورت اور چمکدار ہے، میں ہوں، کیوں کہ میرا لباس امیرانہ ہے۔ اور یہ پرانا محمود ہے، جو گاڑھے کا بدوضع کرتا پہنے رہتا ہے۔ رُپے لے کر حامد بساطی کی دکان پر گھڑی کی زنجیر خریدنے گیا اور کہا کہ زنجیریں دکھاؤ۔ بساطی نے گتّے کا ڈبّہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا، جس میں طرح طرح کی اچھی اچھی زنجیریں تھیں۔ ابھی وہ زنجیریں دیکھ رہا تھا کہ مدرسہ کی گھنٹی بجنے لگی۔ حامد نے ایک سنہری زنجیر چھانٹ لی اور قیمت پوچھی۔ بساطی نے کہا "پورے دو رُپے۔ حامد نے رُپے فخریہ طور پر بساطی کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ اسے چمک دار رُپے کے جانے کا خیال ضرور تھا، مگر سنہری زنجیر کے شوق نے اس خیال کو دور کردیا۔ بساطی نے رُپے پرکھے اور کہا کہ یہ چمک دار رُپیہ کھوٹا ہے۔ حامد کو تعجب ہوا۔ حامد نے چمکدار رُپیہ لے کر جو بجایا تو اس کی آواز بالکل کھوٹے رُپے کی مانند تھی۔ بساطی نے ڈبّہ بند کردیا اور حامد رنجیدہ ہو کر وہاں سے چل پڑا۔ حامد کو بڑا رنج تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ آج مدرسہ نہیں جاؤں گا۔ اس نے باغ کا رخ کیا۔ باغ کے قریب دو آدمی کنوئیں پر کھڑے پانی نکال رہے تھے۔ حامد فرش زمردیں پر لیٹ گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس کے خوشگوار جھونکوں سے اسے نیند آگئی اور وہ سوگیا۔

خواب میں اسے معلوم ہوا کہ کوئی اس کا نام لے کر پکار رہا ہے۔ دیکھا تو ایک بالشتیا سامنے کھڑا ہے۔ اس نے حامد کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے چمکدار رُپے کا حال دیکھا۔ چمکدار چیزیں زیادہ تر ایسی ہی ہوتی ہیں۔ آؤ!

تمھیں ایک تماشا دکھائیں۔ تم محمود سے نفرت کرتے ہو، اس کی حالت دیکھو۔ بالشتیا حامد کو لیے ہوئے کنویں پر گیا، وہاں دونوں نے پانی پیا، وہاں سے دونوں مدرسے گئے، وہاں امتحان ہورہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نتیجہ نکلا تو محمود اوّل تھا اور حامد فیل۔ آخر حامد نے دیکھا کہ محمود ریلوے کا بڑا افسر ہے اور بہت اچھی پوشاک پہنے ہوئے ہے ناگاہ ایک گاڑی آئی، وہ اس پر سوار ہوگیا۔ راستے میں ایک پُل آیا۔ جس وقت گاڑی پُل پر آئی تو پُل ٹوٹ گیا۔ وہ گر پڑا۔ یہاں تک دیکھا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ طبیعت سنبھلی تو حامد گھر آیا، اور ماں سے خواب کی حقیقت بیان کی۔ اس نے کہا کہ بیٹا ظاہری باتوں پر دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ محمود تم سے بہت اچھا ہے۔ انسان کو دولت اور لباس پر غرور نہ کرنا چاہیے۔ انسان کا زیور علم ہے۔

اس دن سے حامد کی عادت بدل گئی۔ گو اس دن دیر ہوگئی تھی، پھر بھی مدرسے گیا۔ اب وہ گھمنڈ نہیں کرتا ہر ایک سے محبت اور اخلاص سے پیش آتا ہے۔ ناغہ نہیں کرتا اور دل لگا کر پڑھتا ہے۔ (تاجور سلطانہ سکھر)

دل چسپ مشغلے

پچھلے مہینے کے ہمدرد نونہال میں جو دلچسپ مشغلے شائع ہوئے تھے ان کے جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں:۔

سب کا حاصل جمع صفر:۔ ۱۰۰ + ۳۲ - ۴ - ۵ + ۷۶ + ۹۸ -

اسکول اور گھر کے درمیان فاصلہ:۔ اسکول گھر سے پونے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ صبح کے وقت ماسٹر صاحب پون گھنٹے میں اسکول پہنچتے ہیں اور شام کو سوا گھنٹے میں اسکول سے گھر لوٹتے ہیں۔
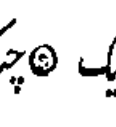
سبزیاں اور پھل تلاش کرو:۔ (۱) پالک (۲) مٹر (۳) آلو (۴) کدو (۵) آم (۶) بیر۔
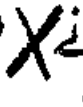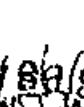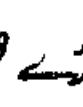
چونتیس ہی چونتیس:۔
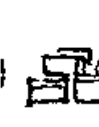
صرف دونوں ترچھی قطاروں کے ہندسوں کو الٹ دو یعنی اس طرح:۔

۱۳	۳	۲	۱۶
۸	۱۰	۱۱	۵
۱۲	۶	۷	۹
۱	۱۵	۱۴	۴
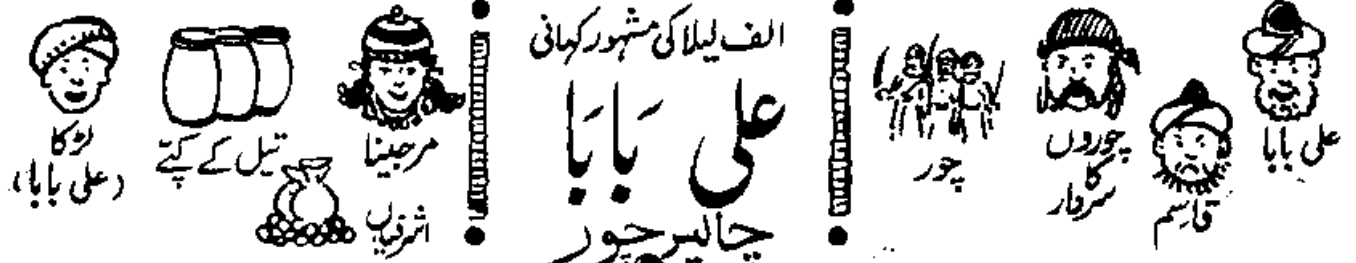
الف لیلا کی مشہور کہانی
علی بابا
چالیس چور
علی بابا
قاسم
چوروں کا سردار
چور
مرجینا
اشرفیاں
تیل کے کپّے
لڑکا (علی بابا)
ایک دن کے قریب میں اپنی سے کاٹ رہا تھا۔
بھی ساتھ ہی تھے۔ دور کا گروہ نظر آیا۔ فوراً پر چڑھ گیا۔
بھی کے پاس آگئے۔ اپنے سے اُترا۔ کے قریب
گیا اور بولا "کھُل سم سم" غار کا کھل گیا۔ ۴۰ اپنا لوٹ مار کا لے کر اندر
داخل ہوگئے۔ رکھ دیا۔ نے کہا "کھُل سم سم" کھلا۔ سب باہر آگئے اور
کی طرف لوٹ گئے۔ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سے نیچے اُترا اور غار کے پاس
جا کر کہا "کھُل سم سم" کھلا اندر گیا۔ اور کا ڈھیر دیکھ کر دل میں خوش ہوا۔
پر لاد کر آگیا۔ اس کی وہ دیکھ کر خوش ہوئی۔ نے
کہا "پڑوس میں کے ہاں جا کر لے آؤ۔" کی مانگ لائی۔
تول کر جب واپس کی تو کی بیوی نے دیکھا کہ میں ایک ۰ چپک
رہی ہے۔ دیتے وقت اس نے موم لگا دیا تھا۔ کا بھائی بڑا لالچی، مگر مال دار
تھا۔ سے سب حال معلوم کیا اور لے کر کی طرف چل دیا۔

غار کے باہر باندھے نے کہا کھل سم سم کھل گیا۔ وہ اندر گیا اور دیکھ کر
پاگل ہوگیا۔ جلدی سے جمع کیں۔ مگر باہر جانے کے لیے وہ فقرہ بھول گیا جس سے
کھلتا تھا۔ بھی آگیا کو سے قتل کرنے کا حکم دیا۔ لاش کے ۴ ٹکڑے کر کے
غار میں لٹکا دیے کے لے کر وہاں سے چلے گئے اور اس کا دونوں
کی تلاش میں آئے۔ غار میں لاش دیکھی اور اٹھا کر لے گئے فوراً
کو لائی۔ کفن تیار کر کے میں لاش دفنا دی گئی نے جب لاش غائب
دیکھی تو وہ آیا۔ مگر لاش کا کچھ پتہ نہ چلا۔ دوسری مرتبہ ایک آیا
اور پر X نشان بنا گیا نے X نشان دیکھا اور محلے کے تمام پر وہ نشان
بنا دیا کے وقت آئے مگر سب پر ایک ہی نشان دیکھ کر لوٹ
گئے۔ اب سوداگر بن کر لے کر آیا اور کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرا
رات میں تیل کم ہوگیا نے سے نکالنا چاہا تو معلوم ہوا کہ میں
ہیں اور صرف ایک میں تیل۔ نے بڑے میں تیل خوب گرم کیا اور
میں ڈال دیا۔ تمام مرگئے کو جب پتہ چلا تو وہ اپنی جان لے کر بھاگ
گیا۔ کچھ دن بعد کا دوست بن کر آیا نے خوب پکوائے

کھانے کے بعد نے سے کہا کہ وہ دکھائے۔ نے ناچتے ہوئے مہمان کے پیٹ میں بھونک دیا۔ جب کو معلوم ہوا کہ مہمان در اصل تھا۔ نے خوش ہوکر کی سے شادی طے کر دی۔

شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ اچھے اچھے پکائے گئے۔ پلائے گئے۔ ہوئے اور لٹائی گئیں۔ جشن ختم ہونے پر غار پر گیا۔ اور تمام اور اپنے لے آیا۔ خوبصورت بنوایا اور عیش سے زندگی گزارنے لگے۔

ملکوں ملکوں کی باتیں

ایس۔ ایم ریاض شاہد
جیکب آباد

اسلامی ممالک کے دارالحکومت

پاکستان	کراچی
عراق	بغداد
سعودی عرب	ریاض
ٹرکی	انقرہ
افغانستان	کابل
انڈونیشیا	جکارتا
لبنان	بیروت
ایران	طہران
متحدہ عرب جمہوریہ	قاہرہ
شرق اردن	عمان

اسلامی ممالک کے حکمراں

پاکستان	جنرل محمد ایوب خاں
متحدہ عرب جمہوریہ	کرنل جمال عبدالناصر
انڈونیشیا	ڈاکٹر عبدالرحیم سوکارنو
عراق	برگیڈیر جنرل عبدالکریم قاسم
ایران	محمد رضا شاہ پہلوی
ٹرکی	صدر جلال بایار
ملایا	ٹنگو عبدالرحمٰن
شرق اردن	شاہ حسین
ٹیونس	صدر حبیب بورقیبہ
سعودی عرب	شاہ سعود

آزادی کے دن

پاکستان	۱۴ اگست
بھارت	۱۵ اگست
امریکا	۴ جولائی
چین	۱۰ اکتوبر
ملایا	۳۱ اگست
اٹلی	۲۶ مارچ
ترکی	یکم نومبر

ہکلانے کا مرض اور اس کا علاج

ماہرین کی رائے ہے کہ ہکلانے کا مرض عام طور پر تین یا چار برس کی عمر میں شروع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ جب بچہ ہکلاتا ہے تو اس کی یہ عادت چھڑانے کا انحصار تمام تر اس کے ماں باپ پر ہوتا ہے، وہ اگر صحیح رویہ اختیار کریں تو بچے کو اس مرض سے نجات مل جاتی ہے، ورنہ عمر بھر اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔

ہکلانا زیادہ تر ایک جذباتی مسئلہ ہے۔ بولنے اور گفتگو کرنے میں خرابی کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں، کوئی چوٹ یا صدمہ اس کا سبب ہوسکتا ہے، یا بچے کا کسی ایسے شخص کے پاس زیادہ وقت رہنا جو ہکلاتا ہو یا بے پرواہی اور بے خیالی اور بے تکے پن سے الفاظ کو توڑ مروڑ کر منھ سے نکالنا۔

سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو جب ایک مرتبہ بچہ ہکلانے لگتا ہے تو دوسرے لوگوں کے برتاؤ سے اُس کے اندر ناخوشگوار جذبات کا پیدا ہوجانا لازمی سا ہے، اس عارضہ کے متعلق تحقیقات کرنے والوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ بچے کو یہ محسوس نہ ہونا چاہیے کہ اس کی ہنسی اڑائی جارہی ہے اور نہ، اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ ہونا چاہیے کہ اُسے بات کرتے ہوئے شرم آنے لگے، اور سب سے زیادہ نقصان رساں یہ بات ہے کہ ماں باپ بچے کے ہکلانے پر بہت زیادہ فکروتشویش کا اظہار کرنا شروع کردیں۔ یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ قریب قریب ہر بچہ اپنی عمر کے ابتدائی دو تین سالوں میں جب بولنے کی کوشش کرتا ہے تو رک رک کر بولتا ہے اور الفاظ کو توڑ مروڑ کر منہ سے نکالتا ہے اور لفظوں کو دہراتا ہے،

بعض مخصوص حالتوں کے سوا جب بچہ ذرا بڑا ہوجاتا ہے اور اُسے خود پر بھروسا ہوجاتا ہے تو ہکلانے کی عادت چھوٹ جاتی ہے یا بہت کم ہوجاتی ہے۔

جارج ولٹن صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے، "ہکلانے پر کس طرح قابو پانا چاہیے"

اس کتاب میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں ہکلانے والے بچوں پر چیخنا چلانا نہیں چاہیے اور نہ انھیں یہ محسوس ہونے دو کہ تمھیں اُن پر غصہ آرہا ہے اور تم یہ چاہتے ہو کہ وہ تیزی سے اور جلدی جلدی کوئی کام انجام دیں۔

جب بچہ ہکلاتا ہے تو ماں باپ کے لیے یہ بات مشکل ضرور ہے کہ وہ ایسا رویہ اختیار کرلیں کہ وہ ہکلانے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ اگر ماں باپ بچے کی اس کمزوری پر بار بار اُسے روکیں اور ٹوکیں گے تو اُن کے اس برتاؤ کو وہ بے حسی اور بے دردی سے تعبیر کرے گا۔ اس حالت میں اُس کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنے اور اُسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کی ضرورت ہے۔ اسکول میں یا گھر پر کچھ ایسی فضا پیدا کر دینی چاہیے جس میں بچے کو اپنے اوپر اعتماد پیدا ہو جائے۔ یہ بات بہت ہی ضروری ہے۔ بے ساختہ ہنسنا ہنسانا اور ہنسی مذاق میں شریک ہونا خود شعوری کو آزاد کر دیتا ہے اور یہ ہکلے پن سے پیچھا چھڑانے کا تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔

اگر ہکلانے والا بچہ چھ سات برس کا ہے تو یہ بہتر ہوگا کہ اُس سے اُس کی اس کمزوری کے متعلق گفتگو کرلی جائے، جہاں تک ہوسکے بچے کے ذہن میں یہ بات ڈال دینی چاہیے کہ اگر کوئی اُس کی باتوں پر ہنسے اور اُس کا مذاق اڑائے تو اُسے پروا نہیں کرنی چاہئے بلکہ خود بھی اِس مذاق میں شریک ہوجانا چاہیے۔

ہکلانے کا صرف ایک علاج ہے آرام، استراحت اور ڈھیلا ڈھالا رہنا، ہکلانا اصل میں نتیجہ ہے گھبراہٹ، شتابی، اضطراب اور پریشانی کا۔ جو لوگ ہکلاتے ہیں ان میں سے اکثر انتہا درجہ بے چین اور آسانی سے مشتعل اور برافروختہ ہو جانے والے ہوتے ہیں، جہاں ہکلانے والے کو یہ معلوم ہوا کہ آہستگی اور دھیماپن اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ گہرے سانس لینا نہایت مفید ہے اور صاف اور واضح طور پر الفاظ نکالنے کی کوشش کرنا بہترین طریقہ ہے تو وہ اپنی اس کمزوری پر قابو پانے کے راستے پر پڑ جائے گا۔ ہمیشہ یہ بات نظر میں رکھنا ضروری ہے کہ جو کچھ کیا جائے سکون و اطمینان کے ساتھ کیا جائے۔ ہکلانے والے کے لئے بدترین بات یہ ہے کہ بات کرتے وقت اسے اکدم یہ خیال آئے کہ" اس لفظ کو زبان سے نکالتے وقت میں ضرور ہکلاؤں گا"۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے، بولنے میں الفاظ کچھ غیر شعوری قسم کی روانی کے ساتھ منہ سے نکلتے ہیں، جب ہم بولتے ہیں تو ہمارے گلے کے سب پٹھے کام کرتے ہیں، ڈر اور پریشانی اور گھبراہٹ سے یہ پٹھے بے کار ہو جاتے ہیں،

مسٹر ولٹن اپنی متذکرۂ بالا کتاب میں فرماتے ہیں "اگر تم یہ سمجھ لو کہ تم ہکلاؤ گے نہیں تو یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ تم نہیں ہکلاؤ گے، لیکن اگر تم پہلے سے یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم صاف صاف نہیں بول سکو گے تو پھر ضرور ہکلاؤ گے اس سلسلہ میں اب سے پہلے جو ناکامیاں ہو چکی ہیں انھیں بھول جاؤ"

ماں باپ کو چاہیے کہ ہکلانے والے بچے کو بہت نرمی اور محبت سے سمجھائیں کہ یہ معمولی سی بات ہے، ذرا سی توجہ کرو گے تو ٹھیک لفظ نکال سکو گے۔ ہکلانے کو نہ خود ایک ناقابل علاج مرض سمجھو اور نہ ہکلانے والے بچے کے ذہن میں یہ بات پیدا ہونے دو۔ اسی طرح تم اس کی نہایت بااثر طریقے پر مدد کر سکتے ہو اور بچہ تمھاری اس قسم کی مدد سے ہلکا ہلکا محسوس کرے گا اور اس عیب سے اُس کا پیچھا چھوٹ جائے گا۔

ہمدرد نونہال

اور ہمدرد صحت اور ہمدرد میڈیکل ڈائجسٹ مندرجہ ذیل ایجنسیوں سے مل سکتا ہے اپنے شہر کی ایجنسی سے یہ رسائل خریدیے

میسرز الامین بک ڈپو
نیوز پیپر ایجنٹ لکھی در
شکارپور

میسرز پاکستان بک ڈپو
جنرل نیوز پیپر ایجنٹ
لاڑکانہ (مغربی پاکستان)

مینیجر صاحب مسلم بک اسٹال
جڑانوالہ

میسرز افضل نیوز ایجنسی
چوک یادگار
پشاور شہر

میسرز ملک بک اسٹال
دکان نمبر ۵ کچہری بازار
لائل پور

میسرز یونانی میڈیکل اسٹور
ریل بازار لال منیر ہاٹ
ضلع رنگ پور (مشرقی پاکستان)

بشیر احمد صاحب
مکتبہ تعمیر ملت - چوک بازار
ملتان

میسرز یوسف برادرس نیوز ایجنٹ
۸ - انور چوک - واہ کینٹ

عبدالحمید صاحب نیشنل بک اسٹال
چوک گھنٹہ گھر - لائل پور

فیروزسنز ریلوے بک اسٹال
ریلوے اسٹیشن لائل پور

میسرز تاج برادرس نیوز پیپر ایجنٹ
اسٹیشن روڈ نزد ریڈیو ہوٹل
میرپور خاص

میسرز اسٹار نیوز ایجنسی
بازار کلاں پشاور

سیّد حسین شاہ صاحب ملک
شاہین بک اسٹال ملتان کینٹ

ورائٹی کارنر بک اسٹال
گاڑی کھاتہ حیدرآباد

میاں محمد شریف صاحب
شاہین نیوز ایجنسی دہاڑی
ضلع ملتان

میسرز اسلامی کتاب گھر
ریل بازار - تاندلیانوالہ

ریاض اسٹیشنری اینڈ جنرل اسٹور
ظاہر پیر تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خاں

میسرز خوش نما بک اسٹال
چوک گھنٹہ گھر لائل پور

شاہ ماڈرن لائبریری
اندرون کنگ گیٹ کوہاٹ

عنایت بک اسٹال
اسٹیشن روڈ میرپور خاص

اچھی صحت اور اچھی قسمت کی بنیاد بچپن ہی میں رکھی جاتی ہے
اپنے بچے کو غذا کی کمی اور موسمی علالتوں کا شکار نہ ہونے دیجئے۔

"نونہال وہ صحت بخش ٹانک ہے جو آپ کے بچے کے
تونے کو مضبوط کرتا ہے، اس کے بڑھنے اور پنپنے میں مددگار
اعصاب کی آئندہ ترقی کا ضامن ہے۔ اس میں وہ تمام
قدرتی اجزا موجود ہیں جن کی بچوں کے جسم اور دماغ کو
ضرورت ہوتی ہے۔"

بچوں کی صحت کا محافظ
نونہال
ہمدرد

دانتوں کی تکلیف کا
ایک عِلاج
مگر بہتر ہے
ہمدرد منجن
اِستعمال کریں
ہمدرد (پاکستان)
کراچی ــــ ڈھاکہ ــــ لاہور

پیارے بچّو پڑھو.....
الف، مَد - آ
آ، آ، آ، چھیں
پڑھاتے وقت بار بار چھینکنا نہ صرف بچّوں کو ہنسی مذاق
پر اُکساتا ہے، بلکہ انھیں اکثر نزلے میں بھی مبتلا کرنے کا
باعث بن جاتا ہے۔
سُعالین
کھانسی - نزلہ - زکام
سے نجات دِلاتی ہے
Sualin
Sualin
ہمدرد

Hamdard-e-Naunehal
REGD. No. S. 1903

TITLE PRINTED AT THE NOVELTY ART PRESS AMIL ROAD, KARACHI-1